9

خلاصۂ رسالۂ

’جواهرِ مضِیه ردِ نیچریه‘

-: تالیف :-

راجی دوام لطف القدیر عبده **محمد غلام دستگیر** نصرهُ النصیر

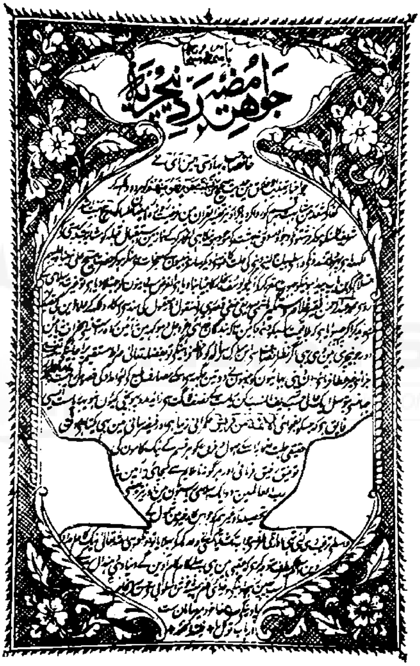

جواہر مضیہ رد نیچریہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

حق تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو **قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِی عِوَجٍ** - یعنی قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں - فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے :

وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَھَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ٥ (سورۂ قمر: ۱۵/۵۴)

یعنی اور ہم نے آسان کیا قرآن نصیحت لینے کو۔ پس ہے کوئی نصیحت لینے والا !۔

پھر کئی بار اِس کو 'کتابِ مبین' اور 'قرآنِ مبین' اِرشاد کیا ہے یعنی روشن اور بیان کرنے والا۔

جن سے بہ صراحتِ تمام متحقق ہوا کہ قرآن ہدایت نشان سوائے چند آیاتِ متشابہات کے کمال وتمام علی الخصوص قصص واحکام اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے، اور معمہ چیستان کی طرح نہیں کہ مرادی مخفی معانی پر محمول ہو کہ ایسا ہونا کلامِ موعظت انجام، فصاحت و بلاغت اِلتیام کی شان کو شایاں نہیں، اس لیے اہل سنت بلکہ اکثر فرقِ امت کا یہ اِعتقاد ہے کہ قرآنِ مجید کے اخبار جیسا کہ بہشتیوں کے لیے حور، قصور، انہار، اشجار، اثمار کا دینا اور دوزخیوں کو زقوم، حمیم، سلاسل، اغلال میں مبتلا کرنا و دیگر مضامین سب حق ہیں اور ظاہری معنوں سے اِنحراف کر کے باطنی معانی پر محمول کرنا، چناں چہ باطنیہ کا اِدعا ہے اِلحاد ہے(۱) - کذا فی جمیع کتب العقائد-

اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں ملائکہ، جن، شیطان کے وجود و لوازم جسمیت پر تصریح ہے بلکہ ملائکہ پر اِیمان فرض بتایا ہے اور اِنکار کو کفر فرمایا ہے اور آں حضرت ﷺ کے فرمانوں کو بھی وحی و

NaiseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

---

(۱) **قولہ تعالی: الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡ اٰیَاتِنَا لَا یَخۡفُوۡنَ عَلَیۡنَا اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاتِیۡ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ .**

یعنی جو لوگ کج روی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ہم سے چھپے نہیں، بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے دن قیامت کے، کرتے جاؤ جو چاہو، بے شک جو کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ (موضح القرآن وغیرہ)

لازم الاطاعت سنایا ہے اور حضرت مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قرآن وحدیث و اِجماع سے ثابت ہے اور ایسے ہی اِعتقادات پر نجاتِ اُخروی منحصر ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے :

من قال اشهد ان لا اِله اِلا اللّٰه وحده لا شرِيک له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله و ان عِيسى عبد اللّٰهِ و رسوله و ابن امتِه و کلِمته القها اِلى مريم و روح مِنه و ان الجنة حق و النار حق ادخله اللّٰه مِن ایِّ أبوابِ الجنةِ الثمانِيةِ شاء .

جس کا ترجمہ رسالہ ہٰذا (حاشیہ۲) پر درج ہے جس سے ثابت ہے کہ ایسے خوش اِعتقاد ضرور ناجی و بہشتی ہیں۔

پس یہ رسالہ شریفہ جو ایسے دِینِ اِسلام کے اصول و مسائلِ مہمہ پر مشتمل ہے جن کے باور کرنے پر نجاتِ اُخروی منحصر ہے، بلا قیمت تقسیم ہوتا ہے۔ تو نہایت خوش قسمتی ہے ان دینی بھائیوں کی جو اِس مبارک رسالہ کو خود بھی بہ شوق ومحبتِ تمام پڑھیں اور اِس پر کار بند رہ کر دوسرے مومنوں کو بھی سنائیں۔ ان کے عقائد کو جمائیں گے تو بے شک باری تعالیٰ سے بہشت عیش ابدی پائیں گے اور اس کی رضا و خوش نودی ۔ جو منتہائے مراد ہے ۔ حاصل فرمائیں گے۔

و اللّٰه هو الموفِق و المعِين و الحمد لِلّٰهِ ربِ العالمِين و صلى اللّٰه تعالى على خيرِ خلقِه و حبِيبِه محمد و عِترتِه أجمعِين. اللّٰهم ارحمنا معهم بِرحمتِک يا أرحم الراحِمِين. آمِين .

---

(۲) یعنی جس نے وحدانیت باری تعالیٰ وحقیت رسالت آں حضرت ﷺ پر شہادت دی اور یہ بھی گواہی دی کہ حضرت مسیح خدا کے بندے ورسول ہیں اور اس کی باندی کے بیٹے اور اس کا کلمہ جو اس نے مریم کی طرف اِلقا کیا اور ان کا روح یعنی بن باپ پیدا ہوا اور یہ بھی شہادت دی کہ بہشت و دوزخ حق ہیں۔ ایسے شخص ایمان دار کو بہشت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے وہ چاہے گا اللہ تعالیٰ داخل کر دے گا۔ **فللّٰه الحمد حمدا کثيرا کبيرا.** منہ عفی عنہ

بِاسمِہ سبحانہٗ

جواھرِ مضیہ رد نیچریہ

خان صاحب بہادر سی-ایس-آئی نے جو اخبار تہذیب الاخلاق میں حدیث صحیح **من تشبہ بقوم فھو مِنھم** کو مردود لکھ کر کفار کے شعار میں مشابہت ہر قسم کو روا کر دیا ہے اور نیز تفسیر القرآن میں فرضیت روزۂ رمضان المبارک و حج بیت اللہ شریف کا منکر ہو کر فرشتوں کے وجود اور دوزخ، بہشت کے موجود ہونے کا بھی انکار کر کے نماز میں استقبالِ قبلہ کو مشابہ بت پرستی کے لکھ دیا ہے پھر دولت مندوں کے واسطے بیاج لینے دینے کی حلت کا فتوی دے کر سارے نبیوں کے معجزات سے منکر ہو کر حضرت مسیح علی نبینا وعلیہم السلام کے بن باپ پیدا ہونے کو جھوٹ مقرر کر کے آپ کو یوسف نجار کا بیٹا بنا دیا ہے۔

الغرض سب دینوں کو جھٹلا دیا ہے تو غیرتِ اسلامی کی رو سے محمد ابو عبدالرحمٰن فقیر غلام دستگیر ہاشمی صدیقی حنفی قصوری نے منقول اور معقول کی سند سے اس کا رد لکھ کر علمائے دین کی تصدیق سے مؤید کرا کر چھپوایا ہے کہ بلا قیمت سب کو دیے جائیں تا کہ بندگانِ خدا عزوجل دھوکہ میں نہ آئیں، راہِ راست سے انحراف نہ پائیں اور جو نیچری ہیں وہ بھی اگر نظر انصاف سے اس مبارک رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں گے تو بفضلہٖ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر آ جائیں گے۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے ان دینی بھائیوں کو جنہوں نے دو تین جگہ سے اس کے مصارف طبع کے لیے امداد کی خصوص ریاست بہاول پور جہاں سے بتوسل ایک عالی حسب شریف النسب رکن ریاست کے نصف لاگت سے زائد مدد پہنچی کیوں نہ ہو یہ ریاست ایسی فائق ہے کہ جس کو بہ فحوائے **الائمَّةُ من قریش** حکم رانی زیبا ہے اور فیض رسانی میں بھی یکتا ہے موفق حقیقی جلت نعمائہ اس کے اُصول و فروع کو ہر قسم کے نیک کاموں کی توفیق رفیق فرمائے اور ہر گونہ ناملایم سے بچائے۔ آمین یارب العالمین۔

دو ایک اِسلامی ریاستوں میں اور نیز بعضے تحصیل دار وغیرہم کو جو اس کارِ خیر میں شمول کے واسطے ترغیب دی گئی تھی اور ان کی طرف سے جواب تک نہ آیا کسی نے وعدہ کر کے بھلا دیا تو ان کو

بھی اللہ تعالیٰ نیک کام، امدادِ دین اسلام کی طرف متوجہ کرے کہ عقبیٰ میں یہی بھلے کام کام آئیں گے۔ دنیاوی دھندال سب کے سب یہیں رہ جائیں گے، اور خدائی کام ہمیشہ خوش اُسلوبی سے حسن سرانجام پائیں گے۔ خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را۔ فللّٰہ الحمد

نقل مکتوب

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحِیمِ

نحمدہ و نصلِی علی رسولِہِ الکرِیمِ

اما بعد! بہ خدمت باعظمت جناب مخدومی و مخدوم الانامی مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب ہاشمی قصوری مدظلہ العالی پس از سلام مسنون بہ تحیت مقرون معروض ہے کہ ایک روز میرے ایک دوست نے پرچہ تہذیب الاخلاق ۱۵/ربیع الاول ۱۲۹۵ھ سے ذکر حدیث تشبہ کا پڑھ کر حاضرین کے پاس بیان کیا تو بادی النظر میں وہ مضمون مخالفِ شرع نظر آیا، اس لیے وہ سوال و جواب بعینہٖ نقل کر کے اِرسالِ عالی خدمت ہے کہ براے اِعلاے کلمۃ اللہ آگاہ فرمائیں کہ یہ مضمون درست مطابق احکامِ دِین اِسلام ہے یا نہیں؟۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کا اجر عطا فرمائے گا کہ اِنَّ اللّٰہَ لا یُضِیعُ اجرَ المُحسِنِینَ وارد ہے۔ زیادہ حد ادب۔

خادم العلما خلیفہ محمد فضل الرحمٰن امام جامع مسجد کنپ فیروز پور

نقل مضمون نمبر ۱۳۹ حدیث تشبہ، تہذیب الاخلاق ۱۵/ربیع الاول ۱۲۹۵ھ/۱۳۰۴ نبوی۔

جناب مخدوم مکرم مولانا سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی زید مجدکم تسلیم کے بعد گزارش ہے کہ حدیث شریف مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ کے معانی اور مراد میں لوگوں کو نہایت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے پس واسطے حصولِ اطمینان اور تنقیح مرادِ حدیث کے ضرور ہوا

کہ اس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ ”تشبہ“ کی معلوم ہو جائے لہٰذا بصد نیاز خدمت عالی میں گذارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ تشبہ سے کس امر میں تشبیہ مقصود ہے زیادہ نیاز و تسلیم آپ کا خادم۔ ح

جواب: یہ حدیث ابوداؤد میں باب ما جاء فی الوقبیۃ میں نقل کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة نا ابو النضر عبدالرحمن بن ثابت نا حسان بن عطية عن ابی منیب البجرشی عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم: من تشبه بِقوم فهو مِنهم .

اول تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ حدیث ثابت نہیں نہ روایتاً اور نہ درایتاً۔ روایتاً تو اس لیے ثابت نہیں کہ جو سند اس حدیث کی بیان ہوئی ہے اس سے اتصال سند کا رسول خدا ﷺ تک ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں ان سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اور کوئی راوی نہ ہو۔ پس جب کہ سلسلہ رواۃ غیر ثابت ہے تو وہ حدیث فی نفسہٖ ثابت نہیں ہے۔

اور درایتاً ثابت نہ ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان نہیں کیا ہے اور لفظ ”تشبہ“ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد کے نامعلوم ہونے سے کسی حکم مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جائے تو قیاساً اس کا مورد قرار پا سکتا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

دوسری یہ کہ لفظ ”قوم“ جو اس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا۔ کسی قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک انگریز نے ایرانی یا افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم پٹھان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں نے اس کو ایرانی یا پٹھان سمجھا مگر پھر اس سے نتیجہ کیا؟۔ علیٰ ہٰذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان نے عربی یا ایرانی یا پٹھانی یا روسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں مشابہ ان قوموں کے بنایا اور لوگوں نے بھی اس کو اسی قوم کا سمجھا تو پھر اس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا؟۔

تیسری یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود رسولِ

خدا ﷺ نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کیتھلک میں جو لباس مروّج تھا وہ لباس پہنا ہے۔ مشکوۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ **ان النبی ﷺ لبس جبة رومية ضيقة الكمين .**

جبہ رومی بطور عبا یا چوغہ کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ آستینوں کا جو اب بھی رومن کیتھلک کے پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے۔ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی جو پوپ (نام پادری) کے تابع تھے، اس لیے تمام یورپ کی قوموں کو عرب کی زبان میں رومی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: **الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ.** اور وہ سب رومن کیتھلک تھے اور جبۂ رومیہ خاص ان کی پوشاک تھی۔ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ میں ہے:

فتوضأ و عليه جبة شامية . (ص:۸۶۳)

اور جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس تھا جو اب تک ان کے راہبوں کا لباس ہے۔ مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے خاص آتش پرستوں کا لباس بھی پہنا ہے جیسا کہ حدیث عبداللہ مولیٰ اسما بنت ابی بکر میں ہے :

فاخرجت الى جبة طيالسة كسروانية . (ص:۱۹۔ ج:۲)

اور یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے، پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد یہ عبارت پڑھتے ہیں :

> **كتاب اللباس. باب قول اللّٰه عزوجل : قل من حرم زينة اللّٰه التى اخرج لعباده . قال النبى ﷺ كلوا واشربوا و البسوا اى ما طاب لكم و تصدقوا فى غير إسراف و لا مخيلة . و قال ابن عباس كل ما شئت و البس ما شئت، ما اخطائک اثنتان سرف او مخيلة .**

پس ہم ان روایتوں کی رو سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشابہ کو مشابہت ٹوپی و لباس پر بھی حمل نہیں کرسکتے۔

چوتھی یہ کہ تمام مسلمان اور صحابہ اور خود جناب رسول خدا ﷺ اور کفار عرب ایک سازی و لباس

Nafseislam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

رکھتے تھے اور دونوں قومیں جو باعتبار مذہب کے دو تھیں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور کوئی تفرقہ کفار اور اہل اسلام میں تمیز کا قائم نہیں کیا گیا تھا تو پھر **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کے کیا معنی؟۔ کیا عقل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا ﷺ لندن میں یا جرمن وایشیا میں پیدا ہوتے تو ان کا لباس ویسا ہی نہ ہوتا جیسا کہ ان ملکوں کے لوگوں کا ہے۔ پس تشابہِ قومی سے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہوسکتا ہے؟۔

پانچویں یہ کہ لفظ ’’**تشبہ**‘‘ اور ’’**منھم**‘‘ سے خواہ ان کے کامل معنی مراد لو یا ناقص اور ’’**قوم**‘‘ کے معنی حقیقی بھی چھوڑ کر اس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ لو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ کیا ادنی مشابہت سے مثلا دھوتی باندھ لینے سے یا بگھی و چرٹ پر چڑھنے یا بالکل پوری ظاہری مشابہت کر لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ حاشا وکلا۔

پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے، بایں ہمہ اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو اس کا مورد تلاش کرنا ہوگا کیوں کہ بغیر مورد تحقیق کیے اور ما بہ التشبہ قرار دیے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے، مگر چناں چہ خود حدیث میں ان دونوں میں سے کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جائے گا وہ صرف قیاسی ہوگا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق اس کا مورد یا ما بہ التشبہ جو در حقیقت ایک ہیں قرار دے گا۔

بعضے عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیاتِ الدین مراد لی ہے۔ مثلا زُنّار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکا لگانا یا اعیادِ کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اس میں شریک ہونا اگرچہ یہ رائیں (آراء) کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں ان کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں، اس لیے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اس کو کافر نہیں کر سکتا ہے، پس اِس قول پر جس پر ابوجہل کی نجات منحصر تھی اس کو یقین ہے تو گو وہ کسی کے ساتھ تشابہ کرے **ولو فی خصوصیات الدین و شعائر الکفر کالزنار والصلیب و الأعیاد** وہ کافر نہیں ہوسکتا ہے۔

کیا ہم دیوالی، دسہرا میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور

بڑے دن میں اپنی عیسائی دوستوں سے مل کر اور معاشرت وتمدن کی خوشی حاصل کر کے کافر ہو جائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر در حقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، ایک نہ ایک دن اس کو ذبح ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جس کو میں آیندہ سے 'قول' کہوں گا کیوں کہ میرے نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے، کوئی صحیح مورد بجز ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پا سکتا ہے، اور وہ مورد موتِ اژدحام یعنی جس حالت میں موتِ اژدحام واقع ہو اور مختلف قوموں کے مردے گڈ مڈ ہو جائیں تو حکم **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کی مشابہ ہوگی وہ اسی قوم کی شمار ہوگی اور اس کی تجہیز و تکفین اسی طرح کی جائے گی۔

درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاشیں پہچاننے کی چار علامتیں ہیں: خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اژدحام کے جس قدر احکام ہمارے ہاں کی کتب فقہ میں مندرج ہیں وہ اس قول کی بنا پر ہیں۔ پس میری دانست میں یہی مورد اس قول کا اور یہی مراد اس قول کی ہے، **و بھذا اعتقادي و علی ھذا عملی و السلام**.

راقم سید احمد

الجواب و اللّٰہ ھو الملھم للصواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب حمد اور ستایش خالق ذوالجلال والاکرام کے لائق ہے جس نے اپنے خلیفہ اتم رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری کو اپنی اطاعت اور امتثالِ امر فرمایا کہ:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ (سورۂ نساء: ۸۰/۴)

(جس نے اطاعت کی رسولِ خدا کی پس بے شک اس نے اطاعت کی خدا کی)۔

اور حدیث کی مخالفت اور مؤمنوں کے اجماع اور اتفاق کی نامتابعت میں ملحدوں کو سخت دھمکایا بلکہ مستحق عذاب دوزخ بتایا کہ:

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ۚ (سورۂ نساء: ۱۱۵/۴)

(اور جو کوئی برخلافی کرے رسول کی پیچھے اس کے کہ ظاہر ہوئی واسطے اس کے ہدایت اور پیروی کرے سوا راہ مسلمانوں کے متوجہ کریں گے ہم اس کو جدھر متوجہ ہوا اور داخل کریں گے اس کو دوزخ میں اور بڑی بری جگہ ہے پھرنے کی)۔

اور بے شمار درود اور ان گنت سلام سید الرسل ہادی السبل رسول الخواص والعوام پر نثار ہوں جس نے اپنی اُمت مرحومہ کو اتباعِ سواد اعظم اور پیرویِ جمہور علما کرام کے لیے تاکید وتشدید اور ترغیب مزید فرمائی اور اس کے خلاف میں تہدید اور وعید دخول جحیم سنائی کہ:

اتبعوا السوادَ الأعظمَ فانهٗ من شَذَّ شُذَّ فی النار ۔ –رواہ ابن ماجه و ابن ابی عاصم فی کتاب السنة کذا فی المشکوۃ–

فعلیه وعلی آله و صحبه من الصلوات أفضلها و من التحیات أکملها ۔

امابعد واضح رہے کہ خان صاحب بہادر کا جواب بہ چندیں وجوہ مخالف شرع اور خلافِ اصل وفرع ہے۔

پہلی وجہ مخالفت شرع کی یہ ہے کہ اس حدیث کو بہ سبب روایت کے غیر ثابت لکھا ہے اور دلیل اس کی یوں بیان کی ہے کہ جو سند اس حدیث کی بیان ہوئی ہے اس سے اتصال سند کا رسول خدا ﷺ تک ثبوت نہیں، کیوں کہ جو الفاظ روایت کے ہیں ان سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اور کوئی راوی نہ ہو، پس جب کہ سلسلہ رواۃ غیر ثابت ہے تو وہ حدیث فی نفسہٖ ثابت نہیں ہے۔ انتھی بلفظہ۔

اس تحریر سے بہ خوبی ثابت ہے کہ خان صاحب بہادر کو علاوہ ناواقفیت علم اصول حدیث کے صرف مدعا کو مدلل کرنے کا بھی ڈھب نہیں آتا ہے۔ کیا معنی کہ اگر بقول خان صاحب بہادر اس حدیث کے الفاظ روایت سے اور راوی کا درمیان میں نہ ہونا لازم نہیں آتا تو پایا گیا کہ کسی اور راوی کا درمیان میں ہونا ممکن ہے تو امکان وجود راوی سے ایک حدیث موجود و ثابت کتب معتبرہ حدیث اور مسلم و مقبول علمائے حدیث و فقہ کو کون عاقل دین دار تسلیم کرلے گا کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے بلکہ حدیث کے غیر متصل ثابت کرنے کے لیے واجب ہے کہ اول یقیناً ایک راوی درمیان سے متروک ہونا ثابت اور متحقق کیا جائے۔

پھر جب ثابت ہو کہ تابعی نے ایک راوی کا ذکر نہیں کیا ہے تو تب اس حدیث کو بمقابلہ متصل مرسل کہتے ہیں۔ اور حدیث مرسل بھی امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک مقبول ہے، کیوں کہ جو راوی درمیان سے متروک ہوا ہے وہ ثقہ اور معتمد تھا، اس لیے اس کا ذکر ضروری نہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اگر وہ راوی متروک معتبر نہ ہوتا تو اس کا ذکر لازم آتا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حدیث مرسل مقبول ہے اگر کسی دوسری وجہ سے قوت حاصل کرلے اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ایک قول میں حدیث مرسل مقبول ہے، اور دوسرے قول میں اس میں توقف لازم ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے جس کی اصل عبارت حاشیہ پر منقول ہوتی ہے۔

حاشیہ : نزد ابوحنیفہ و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ حدیث مرسل بہر حال مقبول است و ایشاں گویند کہ ارسال بجہت کمال وثوق و اعتماد است زیرا کہ کلام در ثقہ است و اگر نزد وے صحیح نمی بود ارسال نمی نمود و نزد شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اگر حدیث مرسل اعتقاد یا بوجہ دیگر مقبول است و نزد احمد دو قول است بقولے قبول و بقولے توقف۔ اشعۃ اللمعات من عن۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول، ص: ۲ مطبوعہ کارخانہ محمدی ۱۲۷۷ھ)

پس اگر بالفرض یہ حدیث مرسل یعنی غیر متصل ثابت ہو جائے تا ہم اکثر ائمہ مجتہدین کے نزدیک مقبول ہے تو اس کو غیر ثابت فی نفسہٖ کہنے والا ظلوم وجہول ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس حدیث کے راوی امام ابوداؤد اور آں حضرت ﷺ کے درمیان پانچ ہیں ان میں سے حسان بن عطیہ تابعی ثقہ فقیہ عابد نے ابی منیب تابعی ثقہ سے اور ابی منیب تابعی ثقہ نے حضرت ابن عمر مشہور جلیل القدر صحابی سے رضی اللہ عنہم بلفظ ’’عن‘‘ روایت کی ہے جس سے خان صاحب بہادر کو دھوکہ پڑا کہ یہ حدیث معنعن ہے اور معنعن حدیث متصل نہیں ہوتی بلکہ مرسل ہوتی ہے تو اس وہم سے اس حدیث کو غیر ثابت لکھ دیا ہو تو یہ بھی ان کی علم اصول حدیث سے ناواقفیت ہے، کیوں کہ بعضے محدثین نے جو معنعن کو مرسل کہہ دیا ہے تو وہ غیر صحیح ہے اور صحیح قول جس پر جمہور محدثین اور فقہا اور اصولیین ہیں یہ ہے کہ حدیث معنعن متصل ہوتی ہے بشرطیکہ راوی جس نے لفظ عن سے روایت کی ہے مدلس نہ ہو، نیز جن راویوں میں عنعنہ سے روایت ہوئی ہے ملاقات باہمی کا امکان ہو جیسا کہ مقدمہ صحیح بخاری- مطبوعہ احمدی- میں لکھا ہے جس کی اصل عبارت بھی حاشیہ پر سنداً مسطور ہوتی ہے۔ (۱)

پس حسان بن عطیہ اور ابی منیب دونوں تابعی ثقہ ہیں جو اکثر تابعین سے اور صحابہ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور تدلیس سے بری ہیں جیسا کہ تقریب التہذیب میں ان کی تعریف ہے جو حاشیہ پر بہ جنس ثبت ہوتی ہے۔ (۲)

پھر جب ایک تابعی ثقہ فقیہ عابد نے- جو حسن بن عطیہ ہے- دوسرے تابعی ثقہ سے- جس کا نام ابی منیب ہے- روایت کی، اور ابی منیب تابعی ثقہ نے حضرت ابن عمر جلیل القدر صحابی سے روایت لی تو غیر متصل کہاں رہی بلکہ بالیقین یہ حدیث متصل نکلی اور سوا اس کے مسند امام احمد اور سنن

---

(۱) **حاشیہ** : المعنعن قال النووی هو فلان عن فلان، قال بعض العلماء هو مرسل و الصحیح الذي علیه العمل، و قاله الجماهیر من اصحاب الحدیث و الفقه و الاصول أنه متصل بشرط أن یکون المعنعن غیر مدلس وبشرط إمکان لقاء من أضیفت العنعن إلیهم بعضهم بعضا. مقدمه صحیح بخاری. من عن مطبوعه احمدی .

(۱) **حاشیہ** : حسان بن عطیة المحاربي مولاهم ابوبکر الدمشقی فقیه عابد من الرابعة مات بعد العشرین ومائة. أبوالمنیب الجرشی بضم الجیم و فتح الرا و بعدها معجمة الدمشقی ثقة من الرابعة . تقریب التهذیب من عن .

ابوداؤد میں اس حدیث کا موجود ہونا جیسا کہ صاحب مصابیح اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی اس پر تصریح کی ہے مؤید ہے اس کا کہ یہ حدیث صحیح بھی ہے کیوں کہ امام ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر سجستانی رحمہ اللہ تعالی نے پانچ لاکھ حدیث سے۔ جو ان کو یاد تھیں۔ انتخاب کر کے سنن ابوداود میں چار ہزار چھ سو حدیث درج کی ہیں جو ان کے نزدیک صحیح اور قریب بہ صحیح تھیں جیسا کہ محدث دہلوی نے مقدمہ ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے جس کی اصل عبارت حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔ (۱)

اور نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ کے وصل لباس میں ابن قیم سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور ترمذی کی بھی حدیث ہے کہ: **لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا**۔ انتہی۔

نیز خلفاے راشدین اور سب علماے مجتہدین اور اکابر محدثین اس سے حکم شرعی بیان کر گئے ہیں چناں چہ آیندہ مذکور ہوگا۔ تو ایسے حدیث متصل، ثابت، صحیح، مقبول الائمہ، سند الامہ کو غیر ثابت اور مردود کہہ دینا۔ جیسا کہ خان صاحب بہادر نے لکھا ہے۔ کسی دین دار کا کام نہیں!۔

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

دوسری وجہ خان صاحب بہادر کے جواب کے خلاف شرع ہونے کی یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ راوی نے مورد حدیث بیان نہیں کیا ہے اور لفظ تشبہ جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں اور نہ معلوم ہوسکتا ہے۔ انتہیٰ

فقیر کہتا ہے کہ حدیث کا مورد یا معنی معلوم ہونا راوی کے بیان پر ہی موقوف نہیں ہیں کئی احکام شرعیہ منصوصاتِ قرآن وحدیث ہیں اور بہت سے احکام مجتہدین اسلام کے استنباط سے ظاہر ہوتے ہیں جو وہ بھی باجماع امت مسلمات سے ہیں۔ اور اس حدیث کا مورد تو آیاتِ کثیرہ واحادیث صحیحہ صریحہ کے مطابق بہت عمدہ طور سے ثابت ہے جو علماے دین نے بیان کیا ہے اور اہل علم اس کو بخوبی

---

(۱) **حاشیہ** : ابوداود منقول است کہ پانصد ہزار حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم از مشائخ در قید ضبط وحیطہ کتابت در آوردہ ام وسنن خودرا ازیں پانصد ہزار بیرون آوردہ ام ودرآں کتاب چہار ہزار شش صد حدیث ایراد کردہ ام کہ صحیح است وآں چہ نزدیک صحیح است بآں۔ اشعۃ اللمعات۔ من عن۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص: ۱۰ مطبوعہ کارخانہ محمدی ۱۲۷۷ھ)

تسلیم کرتے ہیں، چناں چہ اس کا ذکر آگے آتا ہے تو خان صاحب بہادر کو اس حدیث کے مورد نہ معلوم ہونے سے یا عناداً اور اِستکباراً اس سے انکار کرنے سے حدیث بے فائدہ نہیں ہو سکتی ہے صرف فہمید غیر شدید۔

تیسری وجہ خان صاحب بہادر کے جواب کے خلاف شرع ہونے کی یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ ایک ہندوستانی مسلمان نے روسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں مشابہ اس قوم کے بنا، یا اور لوگوں نے بھی اس کو اسی قوم کا سمجھا تو پھر اس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا؟ انتھی بقدر الحاجۃ۔

فقیر کہتا ہے کہ اس جگہ پر خان صاحب بہادر کا کفار کے مشابہ بننے میں نتیجہ شرعی کا انکار کرنا شرع سے بالکل فرار کرنا ہے، کیوں کہ جس مسلمان نے کفار سے ایسی مشابہت کی جس سے وہ اس قوم میں سمجھا گیا تو بے شک اس کا نتیجہ شرعی یہ نکلا کہ وہ شخص مشابہت کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا سخت بے فرمان اور مخالف ہوا، اس لیے کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے - جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے - اپنی امت مرحومہ کو کافروں کے شعار میں یعنی جس سے ان کی شناخت ہو تشبیہ کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ بہت سی صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے۔ چناں چہ بخاری و مسلم و ابوداوٗد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہم کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے :

إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم۔ (۱)

اور سنن نسائی و جامع ترمذی وغیرہما میں یوں بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے :

غيروا الشيب و لا تشبهوا باليهود۔ (۲)

یعنی سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جو ترک خضاب کو اپنا شعار کیا تم ان کا خلاف کرو یعنی بالوں کو خضاب لگاؤ اور کفار سے مشابہ نہ بن جاؤ۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۴/۱۷۰ حدیث: ۳۴۶۲ ...... صحیح مسلم: ۳/۱۶۶۳ حدیث: ۲۱۰۲ ...... سنن ابوداوٗد: ۴/۱۳۶ حدیث: ۴۲۰۵ ...... سنن ابن ماجہ: ۲/۱۱۹۶ حدیث: ۳۶۲۱ ...... سنن نسائی: ۸/۱۸۵ حدیث: ۵۲۴۱۔

(۲) سنن ترمذی: ۴/۲۳۲ حدیث: ۱۷۵۲ ...... سنن نسائی: ۸/۱۳۷ حدیث: ۵۰۷۳ ...... صحیح ابن حبان: ۱۲/۲۸۷ حدیث: ۵۴۷۳ ...... مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۲ حدیث: ۱۴۱۶۔

تنبیہ: صرف سیاہ خضاب کا امرنہیں بلکہ سرخ وسیاہ شامل کر کے اور صرف سرخ کا بھی حکم ہے۔ **كذا جاء في الاحاديث و هكذا في شروح البخاری و مسلم و غيرها من الكتب الدينية.**

نیز بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہم کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول خداﷺ سے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ صحابی نے پوچھا کہ ہمارے پاس اگر کارد نہ ہو تو کیا تیز کلک اور سرکنڈا سے ذبح کرلیا کریں تو آپ نے جامع جواب دیا کہ جو چیز خون کو جاری کردے اور خدا کا نام اس پرلیا جائے تو تو اسے کھالے، مگر دانت اور ناخن یعنی ان دونوں سے ذبح منع ہے۔

() سنن ابوداؤد:۳/۶۲ حدیث: ۲۸۲۶......سنن ابن ماجہ:۲/۱۰۶۰ حدیث: ۳۱۷۷......مسند طیالسی:۲/۳۶۷ حدیث:۱۱۲۷۔

اور میں تمہیں اس ممانعت کی وجہ بتاتا ہوں۔ دانت اس لیے کہ وہ استخوان ہے اور ناخن اس لیے کہ وہ حبشیوں کا کارد ہے، یعنی حبشی کافر اور نصاریٰ ہیں اور ناخن سے ذبح کرنا ان کا شعار ہے، پس اس سے ذبح کرنے میں کافروں سے تشبیہ لازم آتی ہے اور تم کو کفار کی تشبیہ سے ممانعت ہو چکی ہے بلکہ مسلمان کافروں کی مخالفت پر مامور ہیں جیسا کہ قسطلانی شرح صحیح بخاری (۱) اور نووی شرح صحیح مسلم (۲) اور طیبی شرح مصابیح (۳) اور نہایہ اور مجمع البحار شرح صحاح ستہ (۴) اور مرقات اور اشعۃ اللمعات مشکوۃ کی شرحوں وغیرہا میں لکھا ہے اور نیز صحاح ستہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی محبت اور دوستی سے آں حضرت ﷺ عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے اور صحابہ کو بھی اس روزہ کا امر فرماتے تھے۔

پھر صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ اور مصابیح اور مشکوۃ المصابیح وغیرہا میں بروایت حضرت ابن عباس آیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی کہ عاشورہ کے دن کی یہود و نصاریٰ بھی تعظیم کرتے اور اس میں روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے ارشاد کیا:

---

(۱) اما الظفر ذی الحبشۃ وہم کفار وقد عن نہیۃ الشبیہ بہم۔۱۲ قسطلانی ۱۲

(۲) اما الظفر ذی الحبشۃ معناہ انہم کفار وقد نہیتم عن التشبیہ بالکفار وہذا شعار لہم۔۱۲ نووی

(۳) معناہ انہم کفار وقد نہیتم عن التشبیہ بہم وبشعارہم۔۱۲ شرح مصابیح

(۴) اما الظفر ذی الحبشۃ ای شعار لہم فلا یجوز التشبیہ بہم۔۱۲ مجمع البحار

لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع۔(۱)

یعنی اگر میں سال آیندہ تک زندہ رہا تو نویں تاریخ بھی عاشورا کے ساتھ روزہ رکھوں گا تاکہ کفار کے ساتھ تشبیہ نہ ہو۔

قاضی عیاض نے صحیحین کی شرح میں، امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں، ابن الاثیر کی نہایہ، علامہ محمد طاہر کی مجمع البحار، مرقات اور اشعۃ اللمعات وغیرہا میں یوں ہی لکھا ہے۔ اور مجمع البحار میں معتبرات سے یہ بھی لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ ابتداے اسلام میں اہل کتاب کی موافقت کو ان کی تالیف قلوب کے لیے پسند فرماتے تھے، پھر جب حق ظاہر اور غالب ہوا اور انہوں نے عناد ورزی کی تو آپ نے بھی ان کی مخالفت اختیار فرمائی جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آیندہ سال ان کی مخالفت کے واسطے نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت مجمع بحار الانوار کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔(۲)

اور محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ﷺ اس محرم سے دوسرے محرم تک دنیا میں نہ رہے بلکہ ربیع الاول میں قبر مطہر کے روضہ منورہ میں خلوت فرما ہوگئے۔

پھر محدث دہلوی محمد عبدالحق مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا کہ اگر سال آیندہ تک میں دنیا میں رہا تو نویں کا روزہ رکھوں گا یعنی نویں تاریخ کو عاشورا کے ساتھ ملاؤں گا۔ مقصود اس سے اہل کتاب کی مخالفت تھی کہ وہ ایک عاشورا کا ہی روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور مسند امام احمد اور بزار میں بروایت حضرت ابن عباس آیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ’عاشورا کا روزہ رکھو اور یہود سے مخالفت کرو کہ عاشورا سے پہلے اور پیچھے بھی روزہ رکھو‘۔ کذا فی سفر السعادۃ۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۹۸/۲ حدیث: ۱۱۳۴...... ابن ماجہ: ۵۵۲/۱ حدیث: ۱۷۳۶...... مسند احمد: ۲۸۰/۵ حدیث: ۳۲۱۳۔

(۲) حاشیہ: **غير لكنه كان في اول امره يحب موافقة اهل الكتاب تاليفا بهم استجلاء بقلوبهم ثم صار يجب مخالفتهم لما ظهر الحق فلما علم اصحابه صحبته مخالفتهم اخبروه بتعظيمهم له ليخالفهم فقال مخالفهم بصوم التاسع في القابل . مجمع البحار من عن .** بذیل لفظ تسع اور لفظ وفق میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔۱۲

یہ ترجمہ ہے عبارت مدارج النبوۃ کا، اور اصل عبارت بھی حاشیہ میں مسطور ہوتی ہے۔(۱)

نیز صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد غلام نافع سے روایت آئی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی مسکین کے سوا طعام نہیں کھایا کرتے تھے۔ پس ایک دن میں ایک شخص کو لے آیا کہ ان سے مل کر کھانا کھائیں، پس اس نے کھانے کو بہت کھایا تو اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے نافع! اس کو پھر میرے پاس نہ لانا یعنی اس لیے کہ یہ کافر کی صفت سے- جو بہت کھاتا ہے- متصف ہے۔ اور مومن اس سے بھاگتا ہے جو کافر کی صفت سے متصف ہو۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر یہ دلیل بیان کی :

سمعت النبی ﷺ یقول: المؤمن یاکل فی معيٍ واحد و الکافر یاکل فی سبعة أمعاء.(۲)

یعنی حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مومن ایک رودے (آنت) میں کھاتا ہے اور کافر سات رودوں (آنتوں) میں کھاتا ہے۔

قسطلانی شرح بخاری میں بہت کھانے کو کافر کی صفت بنانے میں اس آیت قرآنی سے تائید کی ہے :

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ o
(سورۂ محمد: ۴۷/۱۲)

یعنی کافر نفع اٹھاتے اور کھاتے ہیں جیسا کہ چوپائے کھاتے ہیں اور بازگشت ان کی آگ دوزخ ہے۔

---

(۱) حاشیہ: وبعد از فتح مکہ فرمود اگر سال آیندہ دریابم روزہ دارم تاسع را یعنی ضم کنم آنرا یوم عاشورا مقصود مخالفت اہل کتاب بود و درا فراد صوم عاشورا و تعظیم آن و در روایات احمد و بزار از ابن عباس آمدہ کہ رسول خدا ﷺ فرمود روزہ دارید روزِ عاشورو مخالفت کنید در وے یہود را، و روزہ دارید پیش از وی۔ کذا فی سفر السعادۃ، ۱۲۔ مدارج النبوۃ ـ من عن ـ (مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص: ۲۷ مطبع منشی نولکشور)

(۲) صحیح بخاری: ۷/۷۱: حدیث: ۵۳۹۳...... صحیح مسلم: ۳/۱۶۳۱...... سنن ترمذی: ۴/۲۶۶ حدیث: ۱۸۱۸...... سنن ابن ماجہ: ۲/۱۰۸۴...... سنن دارمی: ۲/۱۳۵ حدیث: ۲۰۴۰۔

پھر قسطلانی شرح صحیح بخاری میں ہے کہ یہ مومن اور کافر کے کھانے کی حدیث صحیح مسلم اور موطا امام مالک رحمہما اللہ اور طبرانی میں بھی ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ سنن دارمی وابن ماجہ وغیرہما میں بھی یہ حدیث موجود ہے، اور مقصود اس سے یہ ہے کہ مومن کی شان طلب حلال اور ترک دنیا اور قناعت ہے، اور اکثر مومنین ایسے ہی ہوتے ہیں اور کافر کا طور حرام حلال کی حرص اور طمع ہے اور اکثر کفار ایسے ہوتے ہیں۔ کذافی شروح الصحیحین وغیرہما۔

اور نیز قسطلانی شرح صحیح بخاری، مشکوۃ المصابیح اور شعب الایمان بیہقی میں بہ روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آں حضرت ﷺ سے لائے ہیں کہ آپ نے ایک غلام کے مول لینے کا ارادہ کیا، پس اس کے آگے کھجوریں ڈالیں پس غلام نے بہت کھائیں تو آپ نے فرمایا کہ بہت کھانا بے برکتی کی علامت ہے اور حکم کیا کہ اس غلام کو لوٹا دو یعنی ہم نہیں خریدتے کہ بہت کھانے میں کفار کے مشابہ ہے۔ کذافی شرح المشکوٰۃ۔

پس اب ان احادیث صحیحہ سے صراحۃً اور دلالۃً صاف صاف ثابت اور متحقق ہو گیا کہ آں حضرت ﷺ کو اہل کتاب اور دوسرے کفار سے مشابہت کرنے اور نیز کافروں کی صفت سے متصف ہونا ناپسند تھا اور امت مرحومہ کو اس سے روکتے اور منع فرماتے تھے کہ کفار کے شعار میں ان کے مشابہ نہ بنو اور ان کی صفت سے متصف نہ ہو جیسا کہ حدیث سنن ابوداود اور مسند امام احمد حنبل و مصابیح و مشکوۃ المصابیح وغیرہا جو بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہما آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: **مَن تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کا یہی مطلب ہے۔ یعنی نیکوکاروں کی تشبیہ اور مانند بننے کی اس حدیث میں ترغیب ہے اور بدکاروں کی تشبیہ سے ترہیب ہے۔

یعنی فرمایا ہے کہ جو شخص کافروں اور فاسقوں کے شعار میں ان سے مشابہ بنے گا گناہ میں ان کا شریک ہو گا اور جو نیکوں ایمانداروں کے ساتھ مماثلت اور مشابہت پیدا کرے گا ثواب اور نیکی میں ان کا ساتھی ہو گا۔ کذافی المرقات واشعۃ اللمعات ومجمع البحار وغیرہا۔

مولانا قاری مرقات میں اس حدیث شریف کے ذیل میں ایک غریب حکایت اور عجیب روایت لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب منتقم حقیقی نے فرعون اور فرعونیوں کو غرق کیا تو ایک مسخرہ

جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے لباس اور بول چال میں نقلیں کر کے فرعون اور اس کی قوم کو ہنسایا کرتا تھا وہ غرق ہونے سے بچ رہا۔ اس پر حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے حضور میں باری تعالیٰ کے عرض کی کہ اے میرے رب! یہ مسخرہ تو مجھے سب سے زیادہ ستاتا تھا اور توہین سے پیش آتا تھا یہ غرق ہونے سے کیوں کر بچا؟۔

تب حق تعالیٰ نے حضرت موسی علی نبینا وعلیہ السلام سے فرمایا کہ اس مسخرہ کو ہم نے اس لیے غرق نہ کیا کہ یہ لباس وغیرہ میں آپ سے مشابہت رکھتا تھا، اور دوست اپنے دوست کے ہم شکل کو بھی عذاب نہیں کرتا ہے۔

اب غور کرو کہ جس نے برے ارادے سے خدا کے دوست سے مشابہت کی تو اسے ظاہر کی نجات ملی اور بسا اوقات یہ مشابہت ایمان اور اتباع کا ذریعہ بن کر معنوی نجات بھی دلا دیتی ہے، پس کیا خوش قسمتی ہے ان کی جو ادب اور تعظیم کے ارادے سے نبیوں اور ولیوں سے مشابہت کرتے اور ان کی ہم شکل بنتے ہیں۔ یہ ترجمہ ہے عبارت مرقات کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ پر منقول ہوتی ہے۔(۱)

پس اب بمقابل اس کے یہ بھی ثابت ہوا کہ کیا بد قسمتی اور شقاوت ہے ان کی جو مسلمانوں میں سے ہو کر محبت اور پیار کی رو سے کافروں سے مشابہت کر کے ان میں سے بن جاتے اور لوگوں کو معلوم کراتے ہیں اور ان سے بڑھ کر بڑے تعجب کی بات ہے جو مسلمانوں کو ایسے برے کاموں کی اجازت فرماتے اور حق تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے نہیں شرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک سمجھ نصیب کرے۔

---

(۱) حاشیہ : و قد حکی حکایة غریبة و لطیفة عجیبة و هی انه لما اغرق اللّٰه سبحانه فرعون و آله لم یغرق مسخرة الذی کان یحاکی سیدنا موسی علی نبینا و علیه السلام فی لبسه و کلامه و ملاقاته فیضحکه فرعون و قومه من حرکاته و سکناته فتضرع موسی الی ربه یا رب هٰذا کان یوذینی اکثر من بقیة آل فرعون فقال الرب تعالی ما غرقناه فانه کان یماثل لباسک والحبیب لا یعذب من کان علی صورة الحبیب. فانظر من کان تشبه لاهل الحق علی قصد الباطل حصل له نجاة صورته و ربما آلت الی النجاة المعنوي، فکیف بمن تشبه بأنبیائه و اولیائه علی قصد الشرف و التعظیم و غرض المشابهة الصوریة علی وجه التکریم .مرقات ذیل حدیث من تشبه بِقوم فهو مِنهم .

اب باقی رہا یہ کہ مشابہت پیار اور محبت کا نتیجہ ہے یعنی آدمی جس سے دوستی اور پیار رکھتا ہے اور جس سے مجالست اور موانست کو پسند کرتا ہے اسی سے مشابہت پیدا کرتا ہے اور اس کا پیرو بنتا ہے اگرچہ یہ بات ایسی ظاہر ہے کہ تفصیل اور دلیل کی محتاج نہیں، تاہم اتنا لکھ دیتا ہوں کہ مولانا قاری زین الحلم شرح عین العلم، نیز مرقات شرح مشکوۃ میں اور علامہ محمد طاہر فتنی مجمع البحار شرح صحاح ستہ میں امام غزالی علیہم الرحمہ سے لائے ہیں :

وقال الغزالی مجالسة الحریص ومخالطته تحرک الحرص ومجالسة الزاهد تزهد فی الدنیا لان الطباع مجبولة علی التشبه والاقتدا. انتهی

یعنی حریص سے مجلس کرنا اور مل بیٹھنا حریص بنا دیتا ہے اور تارک دنیا سے ملنا دنیا کی ناپائیداری جتا دیتا ہے، کیوں کہ طبیعتوں کی جبلت تشبہ اور پیروی پر ہے۔

پس جب مشابہت ثمرہ ہوا محبت اور مجالست کا تو اب جاننا چاہیے کہ ہم مسلمان کفار اور فجار کی محبت اور پیار سے منع کیے گئے ہیں اور مومنوں سے اخلاص محبت رکھنے پر مامور ہیں جیسا کہ ابتدائے سورۂ آلِ عمران میں فرمان ہے :

لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِیۡ شَیۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰةً وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ وَاِلَی اللّٰهِ الۡمَصِیۡرُ ۝ (سورۂ آلِ عمران: ۲۸/۳)

یعنی مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ پکڑیں اور جس نے ایسا کیا تو خدا کے دین اور دوستی میں نہ ہوا مگر جب تم کو ان سے ڈر ہے (یعنی تب زبانی دوستی کا اظہار کرو نہ دل سے) اور خدا تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے (یعنی اگر کافروں سے دوستی رکھو گے تو خدا تم پر غضب کرے گا) اور خدا کی طرف ہی لوٹنا ہے۔

یعنی پس تم کو قیامت میں بدلہ دے گا ۔ کذا فی الجلالین وغیرہ ۔ اور یہ بھی جلالین وحسینی وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفار کے ڈر سے یا دار الحرب میں کافروں سے زبانی دوستی کے اظہار کا حکم ہے، پھر تفاسیر معتبرہ میں مثل تفسیر نیشاپوری اور تفسیر کبیر وغیرہما کے لکھتے ہیں کہ کافروں سے میل ملاپ تین قسم ہے :

ایک تو یہ کہ ان کے کفر کو اچھا جان کر ان سے دوستی رکھنا اور یہ قسم دوستی کا تو کفر ہے کیوں کہ الرضا بالکفر کفر مشہور ہے۔ اگر کوئی مسلمان کافر سے ایسی دوستی رکھے تو اسلام سے خارج ہو کر کافر کہلائے گا۔

دوسرا یہ کہ معاملہ اور معاشرت کے طور پر کافروں سے دنیا میں لین دین رکھنا اور یہ منع نہیں۔

اور تیسری قسم جو دونوں قسموں کے درمیان ہے یہ ہے کہ کافروں سے محبت اور رغبت کرنا اور دوستی یا قرابت کے لیے ان کی مدد کرنا۔ یہ قسم اگر چہ کفر نہیں مگر منع اور ناروا ہے، تا کہ یہ محبت کافروں کے طریق کی پسندیدگی اور ان کے دین پر رضامندگی کی طرف کھینچ نہ لے جائے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کو دوست بنائے، اس لیے تہدید سے فرمایا کہ:

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْئٍ o

یعنی جس نے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کی تو خدا کے دین میں سے نہیں ہے۔

یہ ترجمہ ہے عبارت تفاسیر کا اور اصل عبارت تفسیر نیشاپوری کی جو مختصر ہے حاشیہ پر مسطور ہوتی ہے۔ (۱)

دیکھو اب اس آیت اور تفاسیر سے جو وہ بھی قران و حدیث سے ہی مستنبط ہے اس حدیث شریف متنازع فیہ کے معنی کیسے درست اور ٹھیک ٹھیک ذہن نشین ہو گئے کہ جس نے مسلمانوں کی محبت چھوڑ کر کافروں کے دین کو اپنے لیے پسند کر کے ان سے مشابہ بنا تو وہ ان کافروں سے ہی ہوا اور جو صرف محبت کے طور پر ان سے تشبہ کرے تو وہ سخت گناہ گاری میں ان کا شریک ہوا پس اس حدیث کے روایۃً ودرایۃً (۲) صحیح اور درست ہونے میں کسی مسلمان بایقان کو کچھ شک نہ رہا۔

اب ایک دو روایتیں اور بھی لکھ دیتا ہوں سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الْیَھُوْدَ وَالنَّصارٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ

---

(۱) وکون المومن موالیا للکافر تحتمل ثلثہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بالکفر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۲) صحیح املا اس لفظ کا یوں ہے، اور تہذیب الاخلاق میں جو روایتاً اور درایتاً لکھا ہے تو وہ املا نادرست ہے۔ کما لا تخفی علی الماہر۔ نقل مطابق اصل کرنے کے واسطے ص ۳ میں رسالہ ہذا کے مطابق تحریر تہذیب الاخلاق کے منقول ہوا ہے۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

بَعۡضٍ وَّمَنۡ یَتَوَلَّهُمۡ مِنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝

(سورۂ مائدہ: ۵/۵۱)

یعنی اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ پکڑو (یعنی ان کی مدد پر بھروسا نہ کرو اور ان سے دلی محبت نہ رکھو) وہ اپنی اپنی قوم کے دوست دار ہیں اور جو تم سے دوستی کرے گا ان کے ساتھ وہ ان میں سے ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنا گویا ان کے مانند بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نہایت ڈرانا اور دھمکانا ہے، تاکہ اہل اسلام دینی دشمنوں سے کنارہ کریں اور ان کے ساتھ دوستانہ میل جول نہ رکھیں، چہ جائیکہ دلی محبت ہو۔ کذا فی التفسیر الکبیر والنیشاپوری وابی السعود وغیرہا۔

اب اس آیت مبارک سے بھی ثابت ہوا کہ جس نے کفر کو پسند کر کے کافروں سے دوستی کی تو وہ بالیقین کافروں میں سے ہوا اور اس کے حق میں فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ حقیقۃً راست آیا اور جس نے صرف دلی محبت کی تو وہ گناہ گار سخت ہوا اور تہدیداً اس پر فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ وارد ہوا۔ پس یہی حال ہے حدیث: **من تشبه بقوم فهو منهم** کا۔

غور کرنے والے مسلمان کو قرآن کی وَمَنۡ یَتَوَلَّهُمۡ مِنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ اور حدیث **من تشبه بقوم فهو منهم** میں کیسی عمدہ مطابقت معلوم ہوتی ہے۔ اور تفصیل اس محبت کی اوپر گزر چکی ہے کہ محبت کفار جو دین میں خلل انداز ہو وہ ناروا ہے، اور یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ جس نے اس حدیث کا انکار کیا اس نے قرآن کی آیت کا بھی بے شک انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ خان صاحب بہادر کو ہدایت کرے کہ شرع اسلام کے نسخ مسخ کرنے سے باز آجائیں۔ واللہ ھو الموفق۔

پھر اسی سورۂ مائدہ میں تلقین فائدہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَكُمۡ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝

(سورۂ مائدہ: ۵/۵۷)

یعنی اے ایمان والو! جو تمہارے دین کو مسخری کرتے اور کھیل سمجھتے ہیں اہل کتاب اور

دوسرے کافروں سے ان سے دوستی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو یعنی اس کفار کی دوستی سے اگر تم سچے ایماندار ہو۔

یعنی اہل کتاب اور دوسرے کفار جو تمہارے برحق دین سے ٹھٹھا مسخری کرتے ہیں اور تم ان سے دوستی کرو تو یہ بات عقل اور مروت کے بھی برخلاف ہے۔ کذا فی التفسیر الکبیر والتفسیر النیشا پوری وغیرہما۔ بلکہ ایمانداروں کو ایسے کافروں سے بحسب ظاہر دوستوں کا سا معاملہ رکھنا بھی ناروا ہے۔ اسی غرض سے یہ تہدید فرمائی کہ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ . ورنہ ایسے کافروں سے محبت دلی تو ایمان کے ساتھ جمع ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ کذا فی تفسیر ابی السعود، مفتی الشرق والغرب وغیرہ۔

دیکھو اب اس آیت شریف نے بھی اہل کتاب سے مشابہت کرنے کو بابلغ وجوہ منع فرمایا ہے پھر سورۂ ہود کے اخیر میں ارشاد پرتاثیر ہے :

وَ لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (سورۂ ہود:۱۱/۱۱۳)

یعنی اور تھوڑی بھی رغبت اور محبت نہ کرو ان سے جو ظالم ہیں تب تم کو لگے گی آگ دوزخ کی اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

تفاسیر مشہورہ میں مثل ابوالسعود، مدارک، جلالین، کمالین اور بیضاوی وغیرہا کے لکھا ہے کہ کافروں اور فاسقوں سے دوستی اور مداہنت نہ کرو یا ان کے کاموں پر راضی نہ ہو اور تھوڑی سی رغبت یعنی ان کے مانند لباس نہ پہنو اور ان سے مشابہ نہ بنو اور خوبی سے ان کا ذکر نہ کرو کہ اس میں تم دوزخ کا عذاب پاؤ گے۔ اگرچہ ان آیات سے مطلب حقہ بخوبی ثابت ہوگیا ہے، مگر برکت حاصل کرنے کے لیے یہاں پر بھی کچھ احادیث مبارکہ کا ذکر کرنا مناسب ہو کر لکھا جاتا ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے سرور عالم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے حق میں کہ جس نے ایک قوم سے محبت رکھی اور ان سے نہیں ملا، یعنی باہمی ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا یا عملوں میں ان کے برابر نہیں۔ تب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا :

المرء مع من أحب .

یعنی وہ شخص اس کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے۔ (۱)

اس صحیح حدیث میں نیکوکاروں، علما و پرہیزگاروں اور ولیوں کے دوستوں کے لیے بشارت ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے محبوبوں کے زمرہ میں اٹھیں گے، اور ان کے ساتھ ہوں گے- ان شاء اللہ تعالیٰ- کذافی ترجمۃ الشیخ المحدث الدہلوی ومجمع البحار وغیرہما- ولنعم ما قیل ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ و مرمر بدے ☆ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوے
صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالح ترا طالح کند

اور مولانا قاری شرح مرقات شرحِ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ظاہر اس حدیث کا عموم ہے کہ شامل ہے واسطے صالح اور بدبخت کے، اور مؤید اس کے ہے حدیث: **اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ** جیسا کہ آگے آئے گی۔

پس اس حدیث میں نیکوکاروں کی محبت اور مجالست کی ترغیب ہے، اور کفار اشرار کی دوستی سے ترہیب ہے۔ کذافی مظاہر حق اور کیا خوب فرمایا ہے ؎

صحبت بدحال تبہ می کند ☆ دیگ سیہ جامہ سیہ می کند

اور نیز سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن دارمی وغیرہا میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول خدا ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے:

لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي. كذا في المصابيح و مشكوة المصابيح. (۲)

یعنی مجلس نہ کر اور دوستی نہ رکھ مگر مسلمان نیکوکار سے، نہ کافر اور بدکار سے۔ اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۳۹/۸ حدیث: ۶۱۶۸ ...... صحیح مسلم: ۲۰۳۴/۴ حدیث: ۲۶۴۰ ...... سنن ترمذی: ۵۹۵/۴ حدیث: ۲۳۸۵ ...... سنن ابوداؤد: ۴۹۵/۴ حدیث: ۵۱۲۹ ...... صحیح ابن حبان: ۳۰۸/۱ حدیث: ۱۰۵۔

(۲) سنن ابوداؤد: ۴۰۷/۴ حدیث: ۴۸۳۴ ...... جامع ترمذی: ۶۰۰/۴ حدیث: ۲۳۹۵ ...... سنن دارمی: ۱۴۰/۲ حدیث: ۲۰۵۷ ...... صحیح ابن حبان: ۳۱۴/۲ حدیث: ۵۵۴۔

اس حدیث شریف میں مسلمان کو کافروں اور فاجروں کے ساتھ ملاپ کرنے سے اور مل کر کھانا کھانے سے ممانعت فرمائی ہے، تاکہ دوستی اور محبت کا سبب نہ بن جائے اور ان کی بری صفتیں مسلمان میں سرایت نہ کر جائیں۔ کذافی اشعۃ اللمعات ومظاہر حق وغیرہما۔ اور مصابیح میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا :

المرء علی دین خلیلہٖ فلینظر أحدکم من یخالل . (۱)

یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے کیا معنی کہ بسا اوقات آدمی اپنے دوست کے مذہب اور سیرت سے متمذہب اور متخلق بن جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ فکر اور اندیشہ کرلے کہ کس سے دوستی کرتا ہے، اپنی جنس سے یا ناجنس سے۔ کذافی اشعۃ اللمعات ومجمع البحار وغیرہما۔ ولنعم ما قیل :

بود قبطی جنس فرعون ذمیم ☆ بود سبطی جنس موسیٰ کلیم
جاذبہ جنست ست اکنوں ببیں ☆ کہ تو جنس کیستی از کفرو دیں
گر بہاماں مائلے ہامانئے ☆ ور بموسی مائلے سبحانئے
حق ذاتِ پاک اللہ الصمد ☆ کہ بود بہ مار بد از یار بد
مار بد جانت ستانت اے سلیم ☆ یار بد آرد سوئے نار جحیم
زہر قاتل می ثمر صحبت بہ عام ☆ ہست صحبت را اثر ہائے تمام

پھر مصابیح کی اس حدیث کو صاحب مشکوۃ نے یوں تخریج کیا ہے کہ یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔ اور امام نووی نے لکھا ہے کہ اسناد اس حدیث کی صحیح ہیں۔ اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے کہ یہ حدیث ریاض الصالحین میں ہے۔ پھر علامہ قاری مرقات اور نیز زین الحلم شرح عین العلم میں اور محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں لکھتے ہیں کہ صاحب مشکوۃ نے جو اس حدیث کی اسناد وطوالت سے بیان کی ہے تو مقصود اس سے یہ کہ مردود ہو قول اس کا جس نے وہم کیا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح: ۳/۸۷ حدیث: ۵۰۱۹...... مسند شہاب قضاعی: ۲/۳۷ حدیث: ۹۰۷...... مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱/۳۵۲ حدیث: ۳۵۱...... مسند احمد بن حنبل: ۱۳/۳۹۸ حدیث: ۸۰۲۸۔

امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو جو قزوینی نے موضوع کہا تو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا رد کیا کہ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح لکھا ہے، پس اس کو موضوع کہنا خطا اور بے جا ہے۔ اصل عبارت مشکوۃ و مرقات اور ترجمہ فارسی مشکوۃ کی حاشیہ پر منقول ہوئی ہے۔(۱)

مولانا قاری علیہ رحمۃ الباری نے بذیل اسی حدیث شریف کے زین الحکم شرح عین الحلم میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جاہل کے ساتھ دوستی اور مجلس نہ کر اور اس کام سے نہایت ڈر، کیوں کہ کئی نادان دوست بن کر دانا کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ایک آدمی کی چال چلن دوسرے آدمی پر قیاس کی جاتی ہے۔ ایک شے کو دوسرے سے مشابہت آتی ہے۔ ایک دل کو دوسرے دل پر وقت ملاقات کے دلیل نکل آتی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ نادان دوست سے تجھے ضرر ہی ہوگا گو وہ ارادہ کرے کہ تجھے فائدہ پہنچائے۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا کہ گناہ گاروں کے ساتھ دشمنی کرنے سے خدا کے دوست بن جاؤ اور ان سے دُور رہ کر حق تعالیٰ کے مقرب کہلاؤ، اور ان سے غصے ہو کر باری تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرو۔ تب لوگوں نے عرض کی: یا روح اللہ! پھر ہم کس سے محبت کریں اور مجلس رکھیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس کے دیدار سے پروردگار یاد آئے، اس کی ہم نشینی اختیار کرو اور جس کے کلام اور نصیحت سے تمہاری نیکیاں زیادہ ہوں اس کے یار بنو، اور جس کا علم تم کو آخرت کی رغبت دلائے اس سے پیار رکھو۔

Nafseislam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

---

(۱) حاشیہ: رواه احمد و الترمذی و ابوداود و البیهقی فی شعب الایمان، و قال الترمذی هذا حديث حسن غريب، و قال النووی اسناده صحیح. قال الطیبی ذکره فی ریاض الصالحين و غرض المؤلف من إيراده وإطنابه دفع الطعن فی هذا الحديث و رفع توهم من توهم أنه موضوع . قال السيوطی هذا الحديث أحد الاحاديث التی انتقدها الحافظ القزوینی علی المصابیح و قال إنه موضوع فقال الحافظ ابن حجر یعنی العسقلانی فی رده علیه قد حسنه الترمذی و صححه الحاكم مرقات من عن .

مقصود مولف ازیں تطویل مبالغہ ورد تو ہم کردہ کہ ایں حدیث موضوع است۔ شیخ ابن حجر عسقلانی حافظ سراج الدین قزوینی کہ ایں را موضوع گفتہ رد کردہ بگفتہ کہ ترمذی ایں حدیث را تحسین کردہ و حاکم صحیح نوشتہ است کذا قال السیوطی ترجمہ مشکوۃ من عن۔

اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایماندار کسی مجلس میں آئے جہاں ایک سو منافق اور صرف ایک ہی مومن موجود ہو تو وہ اسی ایک مومن کے پاس بیٹھے گا، اور اگر کوئی منافق کسی مجلس میں جائے جہاں ایک سو مومن اور صرف ایک منافق ہو تو وہ اسی ایک منافق سے ہی ملے گا۔

اس حدیث کو بیہقی علیہ الرحمہ نے شعب الایمان میں مرفوع اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف دونوں طرح سے روایت کیا ہے۔ اور اس لیے مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت فرشتوں کی مقرر کر رکھی ہے کہ ہم جنسوں کو باہم ملا دیتی ہے، اور آیت: **وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ** میں بھی اس پر اشارہ ہے، اور بعض حکماء نے بھی کہا ہے کہ ہر آدمی اپنے ہم پیشہ اور ہم شکل سے اُنس رکھتا ہے جیسا کہ پنکھی اپنی مثل سے اڑتا ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت زین الحلم کا۔ اور اصل عبارت عربی بھی حاشیہ پر منقول ہوتی ہے۔(۱)

پس جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث شریف: **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** مطابق آیات قرآنی کے ہے ویسا ہی یہاں پر متحقق ہو گیا کہ **المرء مع من أحب** اور **المرء علی دین خلیلہ** بھی بے شک موافق حدیث **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کے ہیں، جس نے اس حدیث کو نہ مانا گویا کہ فی الاصل آیات قرآنی اور حدیث حبیب رحمانی ﷺ سے روگردانا۔

---

(۱) **حاشیہ : و عن علی کرم اللّٰہ وجہہ لا تصاحب أخا الجھل و ایاک و ایاہ فکم من جاھل روی حکیما حین آغاہ یقال ؟؟؟ المر اذا شاماہ للشی علی الشی مقیا و اشباہ للقلب علی القلب دلیل حین یلقاہ کیف و الاحمق قد یضرک وھو یرید ان ینفعک و عن عیسی علی نبینا و علیہ السلام تحبوا الی اللہ ببغض اھل المعاصی و تقربوا الی اللہ بالتباعد عنھم التمسو رضی اللہ بسحطھم قالوا یا روح اللہ فمن نجالس قال جالسوا من یذکرکم اللہ رویتہ من یزید فی عملکم کلامہ و من یرغبکم فی الآخر عملہ و عنہ علیہ السلام لو ان مومنا دخل الی مجلس فیہ ماء منافق و مومن واحد لجا حتی یجلس الیہ و لو ان منافقا دخل الی مجلس فیہ ماء مومن و منافق واحد لجا حتی یجلس الیہ رواہ البیھقی فی الشعب مرفوعا و موقوفا علی ابن مسعود و من ھھنا قیل ان للّٰہ ملائکۃ یخوا الاھل الی الاھل و یشیر الی قولہ تعالی و ھو علی جمعھم اذا یشا قدیر قال بعض الحکما کل انسان یانس الی شکلہ کما ان کل طیر طیر مع مثلہ زین الحلم من عن .**

اب یہاں تک بابلغِ وجود حدیث تشبہ کی صحت لفظی اور معنوی ثابت ہوگئی اور روایۃً ودرایۃً ثابت نکلی، بناءً علیہ دینی کتابوں میں کفار اور فجار کی ظاہری مشابہت بھی مکروہ لکھی ہے، تاکہ موجب رضا بالکفر کا نہ ہوجائے اور دائرۂ اسلام سے کہیں خارج نہ کرائے۔

ردالمحتار میں۔ جو کتاب مقبول العرب والعجم ہے۔ معتبرات سے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کسی نے موچی کو کہا کہ مجھے مجوسیوں یا فاسقوں کی وضع پر موزہ بنادے یا درزی سے بولا کہ مجھے گنہ گاروں کا سا کپڑا تیار کردے تو موچی اور درزی کو مکروہ ہے کہ ویسا بنائے اور اسے پہنائے کیوں کہ یہ سبب ہے مجوس اور فساق کی تشبیہ کا۔ انتہی۔

اور مولانا قاری فقہ اکبر کے ملحقات میں لکھتے ہیں :

لبس تاج الرفقة مكروه كراهة تحريم و إن لم يكن كفرا بناء على عدم تكفيرهم لقوله عليه السلام : من تشبه بِقوم فهو مِنهم .

یعنی رافضیوں کی ٹوپی جوان کا شعار ہے پہننی مکروہ تحریمہ ہے بہ حکم حدیث مرفوع: **من تشبه بِقوم فهو مِنهم** کے، پس اب غور کرو کہ اس حدیث شریف کی راستی پر قرآن مجید اور صحیح حدیثیں اور دینی کتابیں برابر شہادت دے رہی ہیں تو خان صاحب بہادر جو اس کی تکذیب کررہے ہیں تو سوائے بے دینوں کے ان کی کون سنتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت فرمادے اور وہ راہ راست پر لائے۔

چوتھی غلطی اور خلاف شرع جانا خان صاحب بہادر کا اس جواب میں یہ ہے جو لکھتے ہیں۔

تیسری یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہے، مگر خود رسول خدا ﷺ نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کیتھلک میں جو مروج تھا وہ لباس پہنا ہے۔ مشکوۃ میں بخاری اور مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ:

إن النبي ﷺ لبس جبة رومية ضيقة الكمين . (۱)

جبہ رومی بطور عبا یا چوغہ کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ آستینوں کا جو اَب بھی رومن کیتھلک کے

---

(۱) سنن ترمذی: ۴/۲۳۹ حدیث: ۱۷۶۸...... مشکوۃ المصابیح: ۲/۴۷۹ حدیث: ۴۳۰۵...... مسند احمد: ۳۰/۱۷۴ حدیث: ۱۸۲۳۹...... جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۱۰/٦٦٧ حدیث: ۸۳۰۳۔

پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے۔ رسول خداﷺ کے زمانے میں تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی۔ الی قولہ۔ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ میں ہے: فتوضأ وعليه جبة شامية . ص ۸۶۳۔ اور جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس تھا جواب تک ان کے راہبوں کا لباس ہے۔

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداﷺ نے خاص آتش پرستوں کا بھی لباس پہنا ہے جیسا کہ حدیث عبداللہ مولا اسما بنت ابی بکر میں ہے :

فأخرجت إلى جبة طيالسة كسروانية . (ص۱۹۰ جلد۲)

اور یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے، پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد یہ عبارت پڑھتے ہیں: کتاب اللباس باب قول اللہ عزوجل :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ . قال النبی ﷺ كلوا واشربوا والبسوا أى ما طاب لكم و تصدقوا فى غير إسراف ولا مخيلة وقال ابن عباس كل ما شئت والبس ما شئت ما اخطاتك اثنتان سرف او مخيلة . (۱)

پس ہم کو ان روایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو تشابہ کو مشابہت نہ رہی اور لباس پر بھی حمل نہیں کر سکتے۔ انتہی بلفظہ

فقیر کہتا ہے کہ اس تیسری وجہ کے بیان میں خان صاحب بہادر نے بہت سی سخت غلطیاں کی ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ خان صاحب بہادر نے جو حدیث بخاری و مسلم سے آں حضرت ﷺ کا جبہ رومی تنگ آستین پہننا ثابت کیا ہے، یہ محض دروغِ بے فروغ اور بہتان ہے۔

صحیح بخاری کے وضو اور مسح موزہ اور لباس اور غزوات کے بابوں میں کہیں بھی اس بات کا نام ونشان تک مذکور نہیں اور صحیح مسلم میں بلکہ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی کی ص ۸۶۳، اور صحیح مسلم مع شرح نووی پہلی جلد کے صفحہ ۱۳۳ میں بہ روایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ حضرت ﷺ نے سفر میں جبہ شامیہ تنگ آستین پہنا تھا جس کو وضو کے وقت اتارنا پڑا تھا۔ پھر صحیح بخاری کے صفحہ ۶۳۷

---

(۱) صحیح بخاری، ترجمۃ الباب: ۷...... مسند احمد بن حنبل: ۲۹۴/۱۱ حدیث: ۶۶۹۵۔

میں یہ واقعہ جنگ تبوک کا لکھا ہے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری اور نووی شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ جبہ تنگ آستین آپ کا معتاد اور دائمی لباس نہ تھا بلکہ سفر کی ضرورت اور حاجت کے واسطے آپ نے یہ پہنا تھا چناں چہ اصل عبارت حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

دوسری غلطی یہ ہے کہ جامع ترمذی، سنن ابوداود اور نسائی میں بہ روایت انھیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے اسی جنگ تبوک کے واقعہ میں لکھا ہے کہ حضرت ﷺ نے جبہ رومی تنگ آستین پہنا۔ پس اس روایت کو صحیحین کی طرف منسوب کرنا خان صاحب بہادر کی غلطی ہے۔

پھر اصل میں یوں ثابت ہوا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک کے سفر میں آپ کو جبہ تنگ آستین پہنے ہوئے دیکھ کر کبھی اس کو جبہ شامیہ سے تعبیر کی اور یہ روایت درج صحیحین ہوئے اور کبھی اس کو جبہ رومی بتایا اور یہ روایت سنن والوں نے لی تو اب صرف اتنا ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ نے سفر جنگ کی ضرورت میں جبہ تنگ آستین پہنا اور شامی یا رومی میں تعارض واقع ہونے سے جو ایک ہی راوی نے ایک ہی واقعہ میں ایک ہی جبہ کو ایک دفعہ اپنے خیال سے شامی بیان کیا اور ایک دفعہ رومی کہا تو بالیقین نہ اس جبہ کا شامی ہونا ثابت ہوا اور نہ رومی ہونا پایا گیا تو وہ خان صاحب بہادر کے استدلال کی بنیاد ہی قائم نہ رہی۔

تیسری غلطی خان صاحب بہادر کی یہ ہے اس جبہ تنگ آستین کو جو خاص پادریوں کی پوشاک بیان کیا ہے بلا دلیل ہے بلکہ یہی حدیث دلالت فرما رہی ہے کہ وہ جبہ پادریوں کی پوشاک نہ تھی جیسا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی :

> **فلما رجع ذهبتُ اصبت عليه وعليه جبة رومية ضيقة الكمين فاراد ان يخرج يده منها فضاقت عليه فاخرج يده من تحت الجبة** - کذافی سنن النسائی - **ثم اراد ان يخرج ذراعيه وعليه جبة من صوف من حباب الروم ضيقة الكمين فضاقت فادرعهما اذراعا** - کذافی سنن ابی داوٗد-

---

(۱) باب من لبس جبة ضيقة الكمين فی السفر صحيح بخاری من عن . كانه يشير الی ان لبس النبی ﷺ انما كان لكاد السفر لاحتياج المسافر الی ذالک لان لم يفسر فيه لبس المعتاد فی الحضر. ۱۲ فتح الباری حاشيه صحيح بخاری ص ۸۶۲ . اور صحیح مسلم مع نووی کے ص ۸۲۴ بھی یوں ہے کہ یہ لباس خلاف مروت صرف سفر کی ضرورت کے واسطے تھا۔

یعنی حضرت ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو میں وضو کرانے لگا تو آپ جبہ رومی تنگ آستین پہنے ہوئے تھے آپ نے چاہا کہ آستینوں کو اونچا کر کے ہاتھ کہنیوں تک دھوئیں تو آستینیں بہ سبب تنگی کے اونچی نہ ہوئیں تو آپ نے وہ جبہ اتار کر وضو فرمایا۔ (۱)

تو اب اس حدیث سے صاف ثابت ہوا کہ ان تنگ آستینوں کو بٹن یا تکمے لگے ہوئے نہ تھے جیسا کہ پادریوں اور عیسائیوں کی آستینوں کو لگے ہوتے ہیں ورنہ جبہ کے اتارنے کی حاجت نہ پڑتی بٹن کھول کر آستین اونچی ہو جاتی تو اب خان صاحب بہادر کا اس جبہ رومی کو پادریوں کا خاص لباس جاننا کم علمی یا دھوکہ دہی ہے۔

اور صرف لفظ رومی سے خصوصیت سمجھ رہے ہیں تو خاصہ کے معنی سے غافل ہیں رومی تو روم کی ساخت پر دلالت کرتا ہے اور خاصہ (جس کے معنی یہ ہیں: **ما یوجد فی الشی و لا یوجد فی غیرہ** جیسا کہ ضحک انسان کا خاصہ ہے حیوانات میں نہیں پایا جاتا ہے) یہاں پر کہاں سے نکلا۔ پس جبہ رومی کو رومیوں خصوصاً پادریوں کی خاص پوشاک بنا دینا ایسا نکتہ بیان کرنا ہے جس پر اطفال مکتب بھی دل کھول کر ہنسیں گے۔

چوتھی غلطی یہ ہے کہ حدیث مغیرہ واقعہ بخاری کے فقرہ: **فتوضا وعلیه جبة شامية** سے جو خان صاحب بہادر ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ﷺ نے یہودیوں کی پوشاک پہنی ہے قطع نظر دوسرے دلائل کے خود خان صاحب بہادر کی تحریر جو اس سے ایک سطر اوپر لکھ چکے ہیں کہ تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی۔ انتہی بلفظہ. اس مطلب کو باطل کر رہی ہے یعنی کہ جب شام میں عیسائیوں کی سلطنت تھی تو جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس کیوں کر بن گیا۔

پانچویں غلطی اس حدیث سے جو جبہ شامیہ ثابت کر رہے ہیں یہ جبہ وہی ہے بعینہٖ جس کو راوی نے رومیہ بھی کہا ہے یعنی بہ سبب تنگ آستین ہونے کے شامیۃً رومیۃً کہہ دیا، ورنہ فی الواقع اس کا رومی شامی ہونا ثابت نہیں، اسی لیے امام بخاری نے ترجمہ باب میں صرف اتنا ہی لکھا ہے :

باب من لبس جبة ضيقة الكمين فى السفر .

---

(۱) سنن نسائی: ۱/۸۳ حدیث: ۱۲۵...... سنن ابوداؤد: ۱/۵۸ حدیث: ۱۵۱۔

یعنی آپ کا سفر میں تنگ آستین جبہ پہننا ثابت ہے۔

اور اس حدیث میں بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہی بیان کیا ہے کہ آپ جب قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو میں پانی لے کر آیا، آپ نے وضو کا ارادہ فرمایا اور آپ پر جبہ شامیہ تھا۔ پس آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور منہ دھویا، پس ارادہ کیا کہ ہاتھوں کو آستینوں سے نکالیں تو آستینیں تنگ تھیں تو آپ نے اندر سے ہاتھ نکال کر دھوئے اور سر پر اور موزہ پر مسح فرمایا۔ یہ ترجمہ ہے حدیث بخاری کے لفظوں کا اصل حدیث بھی حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

اور آگے اس کے صحیح بخاری میں انہیں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی جبہ کا جبہ صوف تنگ آستین جنگ میں پہننا لکھا ہے جس سے عاقل کو یقین آجاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ایک ہی جبہ کو راوی نے بسبب تنگ آستین کے کبھی رومیہ کہہ دیا، کبھی شامیہ فرمایا تو اس سے خان صاحب بہادر کا دوجتّے یہودیوں اور پادریوں کے نکالنا محض علم دین سے غفلت ہے یا دیدہ دانستہ اسلام میں خلل اندازی ہے۔

چھٹی غلطی یہ ہے کہ حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ سے خود ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری نے ترجمہ باب میں تصریح کی ہے کہ آپ کا یہ جبہ تنگ آستین پہننا صرف سفر میں تھا اور اس سے پچھلے ترجمہ باب میں ہے کہ جنگ میں تھا یعنی سفر جنگ تبوک میں تو ضرورت سفر جنگ میں ایک کپڑے کے پہن لینے سے جو خلاف معہود ہو یہ ثابت کرنا کہ آپ نے فلانی قوم کی پوشاک پہنی غلطی ہے۔

ساتویں غلطی شامیہ کے لفظ سے (جو راوی نے اپنی سمجھ سے بیان کی اور دوسری جگہ اسی کو رومیہ سے تعبیر کی ہے) اس جبہ کو یہود کا خاص لباس سمجھنا خلاف علم ہے جیسا کہ رومیہ کے لفظ پر کلام ہو چکا ہے۔

آٹھویں غلطی علی ہذا القیاس کسروانیہ کے لفظ سے خاص آتش پرستوں کا لباس جاننا بھی غلط ہے۔ پارسیوں کی ساخت کو ان کے خاص لباس پر حمل کر لینا خانہ ساز اصطلاح اور علم کے برخلاف ہے۔

---

(۱) حَدَّثَنِی الْمُغِیرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم لِحَاجَتِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ فَلَقِیتُهُ بِمَاءٍ ، وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ شَأْمِیَّةٌ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ فَذَهَبَ یُخْرِجُ یَدَیْهِ مِنْ کُمَّیْهِ فَکَانَا ضَیِّقَیْنِ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتُ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ، وَعَلَی خُفَّیْهِ.

نویں غلطی اس جبہ کسروانیہ کو جو خان صاحب بہادر یوں لکھ رہے ہیں کہ ''یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے، انتہی بلفظہ'' محض جھوٹ اور بہتان ہے۔ نہ حدیث کے لفظوں سے پایا جاتا ہے اور نہ کسی معتبر شارح نے اس پر تصریح کی ہے، صرف خان صاحب بہادر کا ۔ جو دین اسلام میں رخنہ اندازی یا دھوکہ بازی کر رہے ہیں ۔ خام خیال ہے، اور کیوں بہتان نہ ہو جب کہ ایک صحیح تر حدیث کے برخلاف ہے جس کو بخاری اور مسلم اور ابوداود اور ترمذی اور محی السنہ وغیرہم نے بدیں الفاظ روایت کیا ہے :

عن أبی بردة رضی اللّٰہ عنه قال أخرجت إلینا عائشة کساء ملبدا و إزارا غلیظا فقالت قبض رسول اللّٰه ﷺ فی هذین . (۱)

یعنی حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک چادر جس کو کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک تہ بند موٹے کپڑے کا یا پیوند دار نکال کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو کپڑوں میں وفات پائی ۔

۔ کذا فی ترجمۃ الشیخ المحدث الدہلوی وغیرہ ۔

پس خان صاحب بہادر کا جبہ کسروانیہ کو آخریں لباس سید الناس ﷺ بتانا محض بہتان ہے، اور جس حدیث مسلم سے یہ بات ثابت کر رہے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما (جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں) ایک جبہ طیلسان کسروانی کو (جو عجمیوں کا لباس تھا) نکال کر بیان کیا کہ یہ جبہ حضرت کا ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا پھر بعد وفات عائشہ رضی اللہ عنہا کے مجھ کو ورثہ ملا، اس لیے کہ ان کی میں ہی وارث تھی اور آں حضرت ﷺ نے اس کو پہنا تھا ہم اس کو دھو کر شفا کے لیے مریضوں کو پلاتی ہیں ۔ کذا فی ترجمۃ الشیخ المحدث الدہلوی وغیرہ ۔

دیکھو اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ یہ جبہ کسروانی آں حضرت ﷺ کا دائمی لباس تھا یا آخرین وقت کا لباس تھا بلکہ اتنا پایا جاتا ہے کہ عجمی بادشاہوں سے کسی نے یہ جبہ ہدیہ کے طور پر آپ کو بھیجا، آپ نے ان کی خاطر داری کی راہ سے اس کو پہنا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دیا

---

(۱) صحیح بخاری: ۴/۸۳ حدیث: ۳۱۰۸...... سنن ترمذی: ۴/۲۲۴ حدیث: ۱۷۳۳...... مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۰۹ حدیث: ۲۰۶۲۴...... مشکوۃ المصابیح: ۲/۴۷۹ حدیث: ۴۳۰۶۔

ان سے ان کی بہن کو ورثہ میں آیا وہ تبرک کے طور پر مریضوں کو دھوکر پلاتی تھیں اور ایسا ہی آپ کی عادت مبارک سے ثابت ہے جو دینی کتابوں میں مرقوم ہے جیسا کہ مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ آپ کی عادت شریف لباس میں تکلف اور توسع کی تھی، اکثر اوقات موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے اور اونی کپڑے بھی پہن لیا کرتے تھے۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ چادر پیوند دار پہنتے اور فرماتے کہ میں ایک غلام ہوں غلاموں کا سا لباس پہنتا ہوں، اور کبھی اگر میرا نفیس بیش قیمت لباس کے پہننے کا اتفاق پڑتا جو عجمی بادشاہ بھیج دیا کرتے اور آپ ان کی خاطرداری کے طور پر اس بیش قیمت لباس کو پہن لیتے تو پھر جلد اُتار دیتے اور کسی کو بخش دیتے اور لوگوں پر بانٹ دیتے تھے۔ اور انصاف کی رو سے اور علو ہمت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فخر کے لباس اور بیش قیمت لباس پہننا اہل شرف کی خصال سے نہیں بلکہ عورتوں کی صفات سے ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت مدارج النبوۃ کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ میں مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

دسویں **غلطی** بخاری کی کتاب اللباس میں آیت کریمہ: **قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ** اور حدیث: **کلوا و اشربوا والبسوا فی غیر إسراف و لا مخیلۃ** سے ہر قسم کی پوشاک پہننے کی اجازت سمجھ لینا خیال بے جا اور اتباعِ ہوا ہے، کیوں کہ اسراف اور تکبر کی استثنا بخوبی فرما رہی ہے کہ مسرفانہ اور متکبرانہ لباس پہننے کی مسلمانوں کو ہرگز اجازت نہیں ہے چہ جائیکہ کافروں کا سا لباس پہننا روا ہو جائے۔

گیارھویں **غلطی** خان صاحب بہادر کا یہ قول کہ ’پس ہم ان روایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے‘۔ انتہیٰ بلفظہ محض غلط اور نادرست ہے، کیوں کہ ان روایتوں سے اتنا ثابت ہوا کہ کبھی کسی ضرورت سفر جنگ میں حضرت ﷺ نے کوئی غیر معتاد لباس پہنا اور کسی وقت

---

(۱) عادت شریف در لباس عدم توسع و ترک تکلف بود و غالب احوال کسا در داو از مشیت نمیشید آوردہ اند کہ بود مرا آں حضرت را کسا ملید پیوند کردہ کہ می پوشند ندہ میفر مودہ نیستم نگر یندہ میسونتم چنانکہ بندگان میسوشند ایشخان وا گاہے لباس نفیس گراں بہا کہ ملوک عجم امداد ارسال می نمودند بقصد استمالت خاطر ایشاں می پوشید بود میکشند از بدن شریف و مین او؟؟؟ میکر دو نزد انصاف و نظر بعلو ہمت مباہات بود تزین بدا خصال اہل نزعت و جلالت نیست بل کہ از سمات وصفت نساست۔ مدارج النبوۃ۔ من عن۔

میں کسی کی خاطر داری کی نظر سے جبہ کسروانی بھی پہنا تو اس سے یہ اصلاً ثابت نہ ہوا کہ یہ آپ کا دائمی لباس اور معتاد پوشاک تھی۔

اگر بفرض محال مان لیں کہ یہ آپ کا دائمی لباس اور معمولی پوشاک تھی تاہم دیکھنا چاہیے کہ ہم لوگوں کو ایسی پوشاکوں سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ پھر جب دیکھا جاتا ہے تو صریح قرآن وحدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم مسلمان کفار و فجار کی محبت و پیار اور نیز ان کی مشابہت سے منع کیے گئے ہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور پھر علی الخصوص کفار کی سی پوشاک پہننے سے ممانعت ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن نسائی اور مصابیح اور مشکوۃ وغیرہا میں حدیث موجود ہے کہ:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص قال رای النبی ﷺ علي ثوبين معصفرين فقال لی ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها . (۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے مجھ پر دو سرخ کپڑے دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہ کافروں کی پوشاک کی جنس سے ہے اور کافروں کے لائق ہے پس تو ایسی پوشاک مت پہن۔ -کذا فی ترجمۃ الشیخ المحدث الدہلوی-

نیز صحیح مسلم کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۹۱ میں خلیفہ دوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ آپ نے گویا مدینہ والوں کے اتفاق سے اپنے لشکریوں کو آذربیجان کی طرف لکھا کہ:

إياكم و التنعم و زی أهل الشرک .

پھر صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی نے اس حدیث کے نیچے لکھا ہے کہ مسند ابی عوانہ اسفرائنی وغیرہ میں بسندِ صحیح اس حدیث میں یوں بھی روایت آتی ہے :

و اياكم و التنعم و زی الأعاجم . الحديث . (۲)

اور شرح نووی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ

---

(۱) صحیح مسلم: ۳/۱۶۴۷ حدیث: ۲۰۷۶...... مسند ابوعوانہ: ۲۳۶/۵ حدیث: ۸۵۳۲...... مشکوٰۃ: ۴۸۳/۲ حدیث: ۴۳۲۷...... مصنف عبدالرزاق: ۷۷/۱۱ حدیث: ۱۹۹۶۵۔

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۸۴/۱۱ حدیث: ۱۹۹۹۳۔

لکھا ہے کہ اس حدیث کی نسبت دار قطنی نے بخاری اور مسلم پر یوں اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کو ابوعثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا بلکہ ان کے خط میں سے پڑھا اور دراصل یہ اعتراض باطل ہے کیوں کہ صحیح قول یہی ہے جس پر جماہیر محدثین اور فقہا محققین اور اصولیین ہیں کہ خط پر عمل جائز ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت شرح امام نووی کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ میں مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

پس ثابت ہوا کہ باجماع صحابہ یوں ارشاد ہے کہ عرب کی سادی وضع اور بلا تکلف پوشاک پہنو اور کفار اور عجمیوں کی تکلّفانہ پوشاکوں کی عادت نہ پکڑو۔ کذا فی شرح النووی والنہایہ لابن کثیر و القاموس و مجمع بحار الانوار وغیر ہا۔

پس جب ہم مسلمان بالیقین کفار اور فجار کی ہم پوشاکی سے ممنوع ہوئے تو خان صاحب بہادر کا یہ قول کہ ’ہم ان روایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے‘، انتہیٰ۔ یا تو بے علمی کا ثمرہ ہے یا مسلمانوں کو گردابِ ضلالت میں دبانا اور شتر بے مہار بنانا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اللہ تعالیٰ تبارک سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

اب یہ گیارہ غلطیاں پہلی تین غلطیوں سے مل کر چودہ غلطیاں ہوئیں۔

پندرھویں **غلطی** خان صاحب بہادر کی وہ ہے جو چوتھی وجہ میں لکھتے ہیں کہ ’تمام مسلمان اور صحابہ اور خود جناب رسول خدا ﷺ اور کفار عرب ایک سا ہی زی ولباس رکھتے تھے الخ‘۔

جب صراحتاً صحیح حدیثوں میں صحابہ اور دوسرے مسلمانوں کو ارشاد ہوئے تھے کہ تم کافروں کا سا لباس نہ پہنو اور کفار کے شعار میں ان کے مشابہ نہ بنو چناں چہ اوپر اس سے بسطِ مناسب کے ساتھ یہ تحریر ہو چکا ہے تو اب اس قول کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے کوئی اور دلیل وسند پیش کرنے کی کیا حاجت ہے۔ نیز دین اسلام میں جو بحکم شارع علیہ السلام مردوں کو صرف ریشمیں کپڑے پہننے اور سونے کی

---

(۱) الحدیث مستدرک و الدار قطنی علی البخاری و مسلم و قال هذا الحدیث لم یسمعه ابو عثمان عن عمر ؟؟؟ اذ عن کتاب عمر و هذا الاستدراک ؟؟ فان الشیخ الذی علیه الجماهیر المحدثین ؟؟ الفقها و الاصولیین قال العمل بالکتاب صحیح شرح نووی من عن ص جلد .

انگوٹھی وغیرہ رکھنے سے ممانعت کی گئی ہے تو اس کی بنیاد اسی پر ہے کہ کافروں کا زی ولباس نہ رکھو چناں چہ بہت سی حدیثیں صحاح ستہ وغیرہا میں موجود ہیں جو اس مطلب پر مفیض کر رہے۔

سولھویں **غلطی** یہ ہے جو پانچویں وجہ میں خان صاحب بہادر لکھتے ہیں: ’’کیا ادنی مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھنے سے یا بگھی یا چرٹ پر چڑھنے سے یا بالکل پوری مشابہت کرنے سے باوجود اقرار توحید ورسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے حاشا وکلا۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتا ودرایتا دونوں طرح پر مردود ہے‘‘۔ انتہی بلفظہ۔

فقیر کہتا ہے کہ اوپر قرآن وحدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر کوئی کافروں سے دلی محبت رکھے اور ان کے شعار واطوار پسند کر کے اپنے لیے ان پر رضامندی ظاہر کرنے کی غرض سے ان سے تشبہ کرے تو وہ بے شک کافر ہے، کیوں کہ اس کے دل میں توحید اور رسالت کی تصدیق نہیں اور صرف لباس میں مشابہت بھی محبت اور موانست کی دلیل ہے۔

بناءً علیہ شریعت غرا میں ایسے خللوں کے انتظام اور انسداد کے لیے ارشاد ہوا کہ **مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ** اور ترمذی میں بھی وارد ہوا کہ **لیس منا من تشبه بغیرنا** ۔کمافی مدارج النبوۃ ناقلاً عن ابن القیم۔

پس اب حدیث شریف **من تشبه بِقوم فهو مِنهم** کو روایۃً ودرایۃً مردود کہنا بروے انصاف مردود ہے بلکہ فی نفس الامر یہ حدیث مطابق کلام ملک علام اور فرمانِ رسول الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اور روایۃً ودرایۃً دونوں طرح پر سند اور مقبول علماے اعلام واہل اسلام ہے۔

سترھویں **غلطی** اس اوپر کی عبارت میں جو خان صاحب بہادر نے اقرار توحید رسالت کو ایمان قرار دیا ہے ایمان کے معنوں سے اپنی ناواقفی ظاہر کی ہے کیوں کہ بحکم قرآن وحدیث ایمان نام تصدیق توحید ورسالت کا ہے صرف اقرار زبانی ایمان نہیں بن سکتا ہے بدونِ تصدیق قلبی کے کہ اقرار صرف ایمان نہیں ورنہ منافق لوگ بھی (جن کو قرآن وحدیث کافر فرما رہے ہیں) مومن کہلاتے۔ **و لا قائل به**۔

چوں کہ یہ مسئلہ سب تفسیروں اور احادیث کی شرحوں اور عقاید کی کتابوں میں قرآن اور حدیث سے مبین ہے، تو اس جگہ پر اس کے دلائل تحریر کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے جس کا جی چاہے تفسیر

عزیزی کی پہلی جلد کی ابتدا میں بذیل آیت **اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ** کے دیکھ لے اور شمہ اس کا ہم نے رسالہ تصریح ابحاث فریدکوٹ کی آٹھویں توضیح میں بھی لکھا ہے۔

اٹھارھویں **غلطی** یہ ہے جو خان صاحب بہادر پانچویں وجہ میں لکھتے ہیں: 'اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو اس کا مورد تلاش کرنا ہوگا کیوں کہ بغیر مورد تحقیق کیے اور ما بہ التشبیہ قرار دیے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے ہیں' الخ۔

فقیر کہتا ہے کہ جو مورد آیت **وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ** کا اور حدیث **لیس منا من تشبہ بغیرنا** کا ہے وہی مورد حدیث **من تشبہ بِقوم فهو مِنهم** کا ہے جیسا کہ تصریح اس کی اوپر ہو چکی ہے تو اس کا مورد تلاش کرنا اور باوجود تلاش کے کسی مورد کا نہ ملنا علامت کم علمی، کند ذہنی کی یا دلیل بے ادبی کم یقینی کی ہے۔

انیسویں **غلطی** خان صاحب بہادر لکھتے ہیں: 'بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہیں مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکا لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اس میں شریک ہونا اگرچہ یہ رائیں (آراء) کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں ان کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں، اس لیے میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اس کو کافر نہیں کر سکتا ہے۔ پس اگر اس قول پر جس پر ابوجہل کی نجات منحصر تھی اس کو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے—**و لو فی خصوصیات الدین و شعائر الکفر کالزنار و الصلیب و الاعیاد**— وہ کافر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا ہم دیوالی، دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے مل کر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کر کے کافر ہو جائیں گے، نعوذ باللہ منہا اگر درحقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ایک نہ ایک دن اس کو ذبح ہونا ہے'۔ انتہی بلفظہٖ

اس تحریر میں خان صاحب بہادر نے کمال ہی بہادری کی جو قرآن و حدیث و اجماع تینوں کو پیٹھ دے کھڑے ہوئے اور اسلام کو سلام کر کے جواب صاف دے دیا کئی وجہ سے۔ اول تو یہ کہ کفر اور اسلام دو نقیضوں کو جمع کر دیا ہے۔ افسوس اتنی سوچ ہی نصیب نہیں کہ غور کریں کہ جس کے دل

میں وحدانیت اور رسالت کا یقین ہوگا وہ زنار کیوں پہنے گا، اور صلیب کیوں رکھے گا، ٹیکا کیوں لگائے گا، کافروں کی عیدوں میں خوشی اور محبت سے کیوں جائے گا، یہ بے ایمانی کے کام کرنے ایمان داروں سے ممکن ہی نہیں ہیں۔

اس میں کیا شک ہے کہ جس نے شعارِ کفر کا اپنی ذات پر اظہار کیا تو کافر ہونے کی نیت کی۔ جیسا ایمان دار کفر کے کلمہ اور کفر کے کام سے کافر ہوتا ہے ایسا ہی کفر کی نیت سے بھی کافر ہو جاتا ہے اگر چہ ثبوت اس کا صدہا دینی کتابوں سے ہے، مگر اس جگہ عارف شعرانی قطب ربانی کی میزانِ کبریٰ سے لکھ دیتا ہوں :

الردة هو قطع الاسلام بنية او قولِ كفر او فعل . انتهى

تو اب جس نے مسلمانوں سے ہو کر بلا ضرورت بمحبت زنار پہن لیا یا صلیب یا ٹیکا لگایا یا کفار کے تہواروں میں دل کی محبت سے شامل ہوا تو کیوں کر کہا جائے گا کہ اس کو کلمہ طیب پر یقین ہے بلکہ اس نے تو اس کے خلاف پر یقین رکھنا ظاہر کر کے کفر میں پڑنا ثابت کر دکھلایا۔

بے شک یہ اجازت دینی خان صاحب بہادر کی۔ یعنی کفار کے شعار میں مشابہت تامہ کو روا کر دینا۔ خلاف شرع ہے۔ اللہ تعالیٰ سچے مومنوں سے ایسے کام نہ کرائے۔

سارے نبی اور ان کے نائب کافروں کے شعار اور طور اطوار کی ناپسندیدگی بیان اور عیاں کرنے کے واسطے تشریف لائے اور ایمانداروں کو ان کے شمول اور محبت سے روکتے گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ السلام کو ہر چند ان کے والد اور بادشاہ وقت نے چاہا کہ ہمارے ساتھ عید پر چلو اور ہمارے معبودوں کا تجمل دیکھو، آپ نے تخلُّف کیا اور سخت تر مصیبت سے بچنے کی غرض سے بیماری کا بہانہ بنا کر عید گاہ میں نہ گئے چوں کہ ان کا یہ خلاف صرف خدا کے لیے اور دینداری کے واسطے تھا گناہ شمار نہ کیا گیا اگر چہ بعضے مفسروں نے اس کی تاویلیں کی ہیں، مگر صحیح یہی ہے کہ یہ ایک ان تین کذبات سے ہے جو آپ نے خدا اور اس کے دین کے لیے بولے تھے۔ کذا فی مجمع البحار وغیرہ۔

اور حدیث صحیح حسن جامع ترمذی وغیرہ سے بھی ثابت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ آپ بیمار نہ تھے یوں ہی بیمار بن گئے تھے یعنی کفر کے میلے میں شامل نہ ہونے کی نیت سے پس اللہ تعالیٰ

نے گویا اس کی برکت سے آپ پر ایک سخت مہم آسان کردی کہ باوجود نہایت انتظام اور پاسداری نمرود مردود کے آپ نے ان کے جھوٹے خداؤں کا کام تمام کردیا جیسا کہ قرآن مجید اور سب تفسیروں میں یہ ذکر موجود ہے۔

پھر فرقانِ حمید میں اُمت مرحومہ کو بارہا ارشاد ہوا ہے کہ یہود ونصاری اور دوسرے کفار سے جو تمہارے دین کو ٹھٹھا مسخری کرتے ہیں دوستی نہ کرو اور اس ناجائز دوستی میں خدا سے ڈرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ اور یہ بھی فرمان ہوا کہ جو تم میں سے کفار کے ساتھ دوستی کرے گا تو وہ ان میں سے ہے جیسا کہ ایسی آیتیں اوپر مسطور ہوچکی ہیں۔

اور رسول خدا ﷺ نے بھی بارہا فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کے ساتھ اور اس کے دین پر ہوتا ہے۔ کما مرذکر الاحادیث۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہادی اور رحمۃ للعالمین بنایا ہے اور یہ مجھے حکم فرمایا ہے کہ معازف، مزامیر، بت، صلیب اور کفر کے کام کو نیست و نابود کروں۔ اس حدیث کو ابوداؤد وطیالسی نے روایت کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل اور ابن منیع نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت شرح سفر السعادۃ کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔ (۱)

پھر اسی بنیاد پر خلفا اور امامانِ دین مجتہدین اور دوسرے علمائے راسخین کا بھی مطابق اس کے فتوی رہا جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ سے فرمانِ خلیفہ دوئم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اوپر منقول ہوچکا ہے کہ آپ مسلمانوں کو کافروں وغیر دین والوں کے مشابہ بننے سے ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ تو اب خان صاحب بہادر جو یوں فتوی دے رہے ہیں کہ کلمہ پر یقین کرنے والا زنار پہن لے یا صلیب رکھے یا کافروں کی عیدوں میں خوشی سے شامل ہو تو مسلمان ہی ہے، سراسر خلاف قرآن اور برعکس ارشاد انبیا ومخالف اجماع اہل ایمان کے ہے۔

---

(۱) وازابی امامہ رضی اللہ عنہ آوردہ اند کہ ان اللہ عزوجل بعثنی ہدی ورحمۃ للعالمین وامرنی بتحق المعازف والمزامیر و الاوثان والصلیب وامر الجاہلیۃ۔ الحدیث۔ وایں حدیث را ابوداود وطیالسی روایت کردہ واحمد بن حنبل وابن منیع یرنایند ایں آوردہ۔ شرح سفر السعادت من عن۔

کافروں سے پورا ہم شکل ہونا یعنی ان کے شعار کو اپنا شعار بنا لینا اور اسلام کے شعار کو ترک کر دینا کفر پر راضی ہونے اور کلمہ طیبہ کے انکار کے سوا اور کیا ہے۔ ایسے شخص کے دل میں کلمہ پر ہرگز یقین نہیں ہے صرف منہ سے کلمہ پڑھتا ہے اور دل میں کفر مضمر رکھتا ہے۔ ایمان اور کفر باہم نہیں مل سکتے ہیں: **الکفر ضد الایمان و الایمان نقیض الکفر** مشہور ہے۔ اور **النقیضان لا یجتمعان و لا یرتفعان.** ارباب عقول کے نزدیک بھی مقبول و منظور ہے۔

اوپر قرآن و حدیث سے تو بقدر کفایت منقول ہو چکا ہے اب دینی کتابوں سے علمائے دین کے بعض اقوال نقل کر سناتا ہوں تاکہ مومنوں کو عبرت ہو کہ خان صاحب بہادر کی طرح پر آزادی کا لباس نہ پہن لیں اور اگر قادر برحق چاہے تو شاید خان صاحب بہادر بھی دین میں رخنہ ڈالنے اور مخبط کرنے سے باز آ جائیں اور عوام کو سیدھے راستے سے نہ بہکائیں۔

مولانا (علی) قاری جو عمدہ محققین اور فقہا و محدثین سے ہیں شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ بعض گناہ امارتِ تکذیب کے ہیں یہ مطلب فرقہ مرجیہ کے رد میں ہے۔ پھر اسی فقہ اکبر کی شرح کے ملحقات میں جہاں پر کلمات کفر لکھ کر پھر بہت تنقیح سے معتبر اور پختہ بات کو نامعتبر اور واہیات سے ممتاز کر کے لکھا ہے وہاں پر تصریح کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ فتاوی صغریٰ (۱) میں لکھتے ہیں کہ جو شخص مجوسیوں کی ٹوپی پہنے اور اس میں مجوسیوں کی تشبہ کرے یا زرد کپڑا کندھے پر دوخت کرائے جو مجوسیوں کا شعار ہے اور مجوسی یعنی آتش پرستوں کی طرح کمر میں تاگہ باندھے تو کافر ہو جاتا ہے جب آتش پرستوں کے تاگہ باندھنے سے مشابہت کرے اور اس کا نام زنار رکھے۔ اور اگر آتش پرستوں سے مشابہت منظور نہیں ہے اور اس تاگہ کو زنار نہیں کہتا ہے تو کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر اہل کتاب کے ساتھ شکل اور سیرت میں مشابہت کرے گو بطور تمسخر کے ہو تاہم کافر ہو جاتا ہے۔

---

(۱) اصل عبارت شرح فقہ اکبر کی صفحہ پر مطابق ترجمہ کے متن کے حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔ **و فی الفتاوی الصغری من تقلنس قلنسوة المجوسي ای لبسها و تشبه بهم فيها او خاط خرقة صفرا على العاتق ای وهو من شعارهم و شد فی الوسط خیطا کفر اذا کان متشابها بخیطهم او رماه زنارا و الا فلا یکفر و لو شبه نفسه بالیهود و النصاری ای صورة او سیرة علی طریق المزاح و الهزل أي ولو علی هذا المنوال کفر و فی الخلاصة من وضع قلنسوة المجوس علی راسه قال بعضهم یکفر و قال بعض المتاخرین ان کان لضرورة البرد او لان البقرة لا تعطیه اللبن حتی یلبسها .**

اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ جس نے فارسیوں کی ٹوپی اپنے سر پر رکھی تو بعض علما کہتے ہیں کہ کافر ہو جاتا ہے اور بعض متاخرین کہتے ہیں کہ اگر ضرورت سردی کے واسطے ہے یا اس لیے کہ اس کی گائے (۱) بدون اس ٹوپی پہنے کے دودھ نہیں دیتی ہے تو کافر نہیں ہوتا ہے، اور اگر بلا ضرورت فارسیوں کی ٹوپی پہنے تو کافر ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں (یعنی مولانا قاری) اور ایسا ہی رافضیوں کا تاج پہننا اگرچہ کفر نہیں مگر مکروہ تحریمہ ہے بدلیل حدیث: من تشبہ بِقوم فھو مِنھم کے، لیکن اگر رافضیوں کے دیس میں ہے اور جبراً اس کو پہنواتے ہیں تو پھر کچھ ڈر نہیں ہے۔ اور محیط میں یوں لکھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ کافروں کی تشبیہ کرنے والا ان کے شعار میں کافر ہو جاتا ہے اور دوسرے کی ضرورت کچھ نہیں، کیوں کہ ممکن ہے کہ اس کی شکل بدل کر پہنے اور سردی رفع کرے پس اس میں پہلی شکل پر پہننے میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں (یعنی مولانا قاری) جب مسلمان کافروں کے پاس قید ہے یا امان سے ان کے دیس میں داخل ہوا ہے یا کافر سے وہ ٹوپی عاریۃً لی ہے تو ان صورتوں میں ضرورت متصور ہے کہ اس کی شکل بدلنے کا اختیار نہیں ہے۔ علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ صورت کے بدلنے سے شاید سردی رفع نہ ہو۔ اور اگر کمر پر زنار باندھے یا طوق اپنے کاندھے پر رکھے تو کافر ہو جاتا ہے یعنی اگر جبراً ایسا نہیں کیا ہے۔

اور خلاصہ میں لکھا ہے ہے کہ اگر زنار باندھے تو ابو جعفر استروشی نے کہا ہے کہ اگر اپنے قیدیوں کے خلاص کرانے کی ضرورت کے واسطے ایسا کیا ہے تو کافر نہیں ہوتا ہے اور اگر بلا ضرورت ایسا کیا ہے تو کافر ہو جاتا ہے اور جو اہل کتاب کا زنار باندھے، اگرچہ ان کے معبد میں داخل نہ ہو تاہم کافر ہو جاتا ہے، اور جو اپنی کمر پر رسا باندھ کر کہے کہ یہ زنار ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اور ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اس کی جورو اس پر حرام ہو جاتی ہے اور محیط میں ہے کیوں کہ اس نے کفر کی تصریح کی

---

(۱) یعنی ایک مسلمان نے کسی مجوسی سے گائے خریدی ہے اور وہ گائے اس مجوسی کے ہاتھ پر پڑی ہوئی تھی کہ بس اسی سے دودھ دہواتی تھی تو اب مسلمان جب تک مجوسی کی ٹوپی نہ پہنے اور اس کا لباس نہ پہنے تب تک وہ گائے دودھ نہیں دیتی اس ضرورت سے وہ ٹوپی پہنی جائے تو کفر نہیں ہے۔ منہ عفی عنہ۔

اور اگر مسلمان نے زنار پہنا اور دارالحرب میں بیوپار کے لیے گیا تو کافر ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس نے بلا اشد ضرورت کے یا فائدہ معتد بہ کے کفر کا لباس پہنا، برخلاف اس کے کہ اگر قیدیوں کو چھڑانے کی نیت سے پہنے تو کفر نہیں جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ اور پھر محیط میں لکھا ہے کہ اکثر علما نے سیاہ پوشاک کفار کے شعار کے پہننے میں ایسا ہی فرمایا ہے یعنی اگر اشد ضرورت سے پہنے تو کفر نہیں ورنہ کفر ہے۔

اور ملتقط میں ہے جو شخص زنار باندھے یا طوق ڈالے یا فارسیوں کی ٹوپی پہنے دل سے ہو یا مسخرے کے طور پر تو کافر ہو جاتا ہے، مگر آنکہ جنگ کی گھات پر ہو یعنی وہ کفر نہیں۔ اور ظہیریہ میں ہے کسی نے فارسیوں کی ٹوپی سر پر رکھی تو لوگوں نے اسے روکا یعنی اس تشبیہ سے اس کو منع کیا تو وہ بولا کہ دل برابر اور مستقیم چاہیے تو اس سے کافر ہوا کیوں کہ اس نے ظاہر شریعت کے احکام کو باطل اور بے کار کیا۔ یہاں تک ترجمہ ہے عبارت شرح فقہ اکبر کا جو اصل عبارت بھی اپنے موقع پر حاشیہ پر لکھی گئی ہے۔

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

فتاوی عالم گیریہ ملقب بہ فتاوی ہندیہ میں جس کو عالم گیر بادشاہ غازی محمد اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے چالیس سے زائد علمائے کبار سے تالیف کرایا ہے اور اس کی سندیں عرب کی کتابوں میں برابر لی جاتی ہیں لکھا ہے :

> **و یکفر بوضع قلنسوة المجوس علی رأسه علی الصحیح إلا لضرورة دفع الحر و البرد و بشد الزنار فی وسطه إلا إذا فعل ذالک خدیعة فی الحرب و طلیعة للمسلمین .**

ترجمہ اس عبارت کا وہی ہے جو بہ بسط مناسب مولانا قاری نے معتبرات سے لکھا ہے اور اوپر مرقوم ہو چکا ہے اختصار کی نظر سے ان دونوں معتبر کتابوں کی نقل پر کفایت کی گئی ورنہ صدہا دینی کتابوں میں یوں ہی لکھا ہے۔(۱)

---

(۱) قلت و کذا لبس تاج الرفضة مکروه کراهة تحریم و ان لم یکن کفر بناء علی عدم تکفیرهم لقوله علیه السلام من تشبه بِقوم فهو مِنهم و فی المحیط لکن الصحیح انه یکفر مطلقا و ضرورة البرد لیس بشیئ لامکان ان یمر و یخرجها عن تلک الهیئة قلت

اب غور کرو کہ قرآن و حدیث اور اقوال علما بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ کافروں کے شعار میں تشبیہ کرنے سے اور اس شعار کو اپنے لیے پسند کرنے سے کلمہ توحید پر یقین نہیں رہتا ہے بلکہ کفر ہے یعنی کفر کی نیت کا اظہار ہے اور خان صاحب بہادر شریعت اسلام کے برخلاف چل کر برائے نام کلمہ گو بن کر کفار کے شعار میں مشبَّہ بکفار ہو کر اور دوسرے نادانوں آزادگی پسندوں کو کفر پر جری اور دلیر کر کے پھر ابھی تک مسلمان ہونے کا دعوی کیے جاتے ہیں حاشا وکلا یہ صاحب نام کے مسلمان بلکہ مہدی وقت بن کر دین اسلام کے اصول وفروع کو الٹ پلٹ کر رہے ہیں اور دانشمندوں کے نزدیک بظاہر اور نادانوں میں در پردہ نردِ دغا کھیل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور نادانوں کو نیک سمجھ عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خان صاحب بہادر نے اس تحریر میں اپنی دوستی کا ان لوگوں سے اقرار کیا ہے جو دین اسلام کو ٹھٹھا مسخری کرتے بلکہ درپئے تخریب دین برحق ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ان کی عیدوں میں بخوشی خاطر شامل ہونے کو جائز کہہ کر اور ان کے اعیاد میں دوستانہ اور مخلصانہ شمول کو اپنا معمول بنا کر خود تو یہ چال چلتے تھے دوسرے تماشائی مزاجوں کو بھی ملحد بنا کر ابھی تک اپنے آپ کو مسلمان جان رہے ہیں۔

بقیہ ... يتصور الضرورة بان يكون المسلم اسيرا و مستامنا اوعاره من الكافر تلك القلنسوة فلبس ان يغير تلك الهيئة على ان تغير تلك الهيئة قد لا يكون مانعا من تلك البرد و لو شد الزنار على وسطه او وضع النعل على كتفه فقد كفر اى اذا لم يكن مكرها فى فعله و فى الخلاصة و لو شد الزنار قال ابو جعفر الاشروشى ان فعل تخليص الاسارى لا يكفر و الا كفر و من تزنر بزنار اليهود والنصارىٰ و ان لم يدخل كنيستهم كفر و من شد على وسطه حبلا و قال هذا زنار كفر و فى الظهيرية وحرم الزوجة و فى المحيط لان هذا تصريح بما هو كفر و ان شد المسلم الزنار و دخل دار الحرب للتجارة كفر اى لانه تلبس بلباس كفر من غير ضرورة ملجئة و لا فائدة مترتبة بخلاف من لبسها لتخليص الاسارى على ما تقدم قال و كذا قال الاكثر اي اكثر العلماء فى لبس السراويل على منوال لبسهم المعتاد و فى الملتقط اذا شد الزنار او اخذ النعل او لبس قلنسوة المجوس جادا او هازلا كفر الا اذا فعل خديعة فى الحرب و فى الظهيرية من وضع قلنسوة المجوس على راسه فقيل له اى انكر عليه فقال ينبغى ان يكون القلب سليما او مستقيما كفر اى ؟؟؟ ابطل حكم ظواهر الشريع شرح فقه اكبر من عن .

ان کو یہ بڑا بھاری نسخہ ملا ہے ملحدوں کے خوش کرنے کا اور اسلام میں خلل زلل ڈالنے کا، اگرچہ پکے مسلمان ان کے اس کید اور فریب سے آگاہ ہیں۔ چناں چہ مشہور ہے اور تنقیح البیان جواب تفسیر القرآن کے ص ۱۲۸ میں لکھا ہے کہ علما ہند کے اتفاق سے ان کی تکفیر میں ایک رسالہ بنام 'اِمداد الآفاق برجم اہل النفاق' مطبع نظامی میں چھپا ہے جس میں ان کے کفریات کو بہ پایۂ ثبوت پہنچایا ہے، مگر اس پر بھی خان صاحب بہادر باز نہیں آئے اور قرآن و حدیث کی تکذیب سے نہیں شرمائے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔

ہم تو اب تک یہی دعا مانگتے ہیں کہ ہادی حقیقی ان کو راہ راست پر لائے۔ افسوس کیوں نہیں غور سے سوچتے کہ خداوند کریم و رحیم کفار کے ساتھ دوستی اور محبت سے منع فرما رہے ہیں اور ان کے خلیفہ اعظم جناب رسول اکرم ﷺ بھی اس کام بد انجام سے ہٹا رہے ہیں اور سب کے سب علمائے کرام بھی اس عادتِ نافرجام سے ڈرا رہے ہیں پھر باوصف اس قدر تاکیداتِ متواترہ کے اسے اپنی نفسانی رائے اور اتباع ہوا کے پیچھے چلے جانا اور صدہا لوگوں کو جو علم دین سے جاہل اور ایسی آزادیوں پر مائل ہیں ساحل سلامتی سے منحرف کر کے ضلالت کے غرقاب اور گمراہی کے گرداب میں ڈبونا سخت مصیبت اور کمالِ وبال میں پڑ کر پروردگار عالم کی دشمنی اور غضب میں آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی یہ بات نصیب نہ کرے۔

صاحبو! اللہ جل و علا کو احکامِ قرآنی اور وحی آسمانی کا محفوظ اور مصئون رکھنا یہاں تک منظور و قبول ہے کہ جب کافروں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کہا کہ اس کلام یعنی فرمان ملک علام میں نصیحت کی باتیں بے شک اچھی ہیں مگر ہر جگہ ہمارے دین کی نکوہش کی ہے اتنا بدل دو تو ہم سب اس کو قبول کرلیں گے اور مانیں گے اس پر باری تعالیٰ نے یہ سورہ بنی اسرائیل کی آیتیں نازل فرمائیں :

> وَ اِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ وَ اِذًا لَّا تَّخَذُوْکَ خَلِیْلاً وَّ لَوْ اَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا اِذاً لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لاَ تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ٥ (سورۂ اسراء: ۷۳/۱۷)

> یعنی اور تحقیق وہ نزدیک تھے کہ تجھ کو فریب سے بہکا دیں اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف ۔ باندھ لائے تو اس کے سوا اور تب پکڑ لیتے تجھ کو دوست اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ثابت رکھا تو تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا تب مقرر چکھاتے ہم تجھ کو دونا عذاب زندگی میں اور دونا عذاب مرنے کا پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا ۔ ۔ کذافی موضح القرآن وغیرہ ۔

اب غور کرو کہ حضرت رسول خدا ﷺ کو باری تعالیٰ نے معصوم رکھا کہ آپ کافروں کی محبت پر مائل نہ ہوئے اور بفرضِ محال اگر آپ معصوم نہ ہوتے اور کافروں سے تھوڑی سی بھی محبت کر بیٹھتے بدیں وجہ کہ احکام الٰہی میں کسی قدر ان کی مرضی کو برت لیتے تو پناہ بخدا دو چند عذاب کے مستحق ہوتے، تو اب خان صاحب بہادر کس شمار میں ہیں جو قرآنی آیتوں کو تحریف معنوی سے محرف کتابوں کے تابع کر کے کافروں کے دل خوش کر رہے ہیں، یہاں تک کہ اصولِ اسلام کی استیصال میں ساعی ہیں اور صدہا مسلمانوں کو گمراہ بنا دیا اور خود ''مہدیِ وقت'' لقب خیال کر لیا ہے اور حدیثوں سے بھی صاف انکار ہو رہا ہے کہ صحیح حدیثوں کو آپ اپنے خیالاتِ نفسانی کے برخلاف پا کر مردود کہہ رہے ہیں جیسا کہ اوپر منقول ہو چکا ہے اور سارے علمائے اسلام کو (جن کی مخالفت میں عذاب دوزخ کی وعید منصوص قرآنی ہے) گمراہ بتا رہے ہیں ۔ خدا معلوم کہ یہ کس عذابِ الیم اور نار جحیم میں گرفتار ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس بلا سے بچائے اور دین اسلام کے پیچھے سے اس آفت کو دفع فرمائے ۔

[خان صاحب بہادر کے کچھ عقائد وافکار]

یہاں پر لازم وقت ہے کہ فقیر کسی قدر اس تحریر کا ثبوت خان صاحب بہادر کی تصنیف سے ظاہر کرے تاکہ ناظرین باعلم کو یقین آ جائے کہ فی الواقع خان صاحب بہادر برخلاف صریح احکام قرآن وحدیث شریعت اسلام کو بگاڑ رہے ہیں ۔ خان صاحب بہادر نے جو تفسیر القرآن سورہ بقرہ کی اردو شرح لکھ کر مطبع علی گڑھ میں ۱۲۹۷ ہجری میں چھپوائی ہے اس کے ص ۲۹ میں مرقوم ہے: 'وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے، مگر اگلے مفسروں نے اس کا بیان کہ وہ کیوں کر دی جاتی ہے ٹھیک طور پر نہیں کیا انہوں نے خدا رسول کو دنیا کے بادشاہ و وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ

کے کلام یا حکم پیغام کی مانند سمجھا ہے اور جبرئیل کو ایک مجسم فرشتہ بادشاہ وزیر میں ایلچی پیغام لیجانے والا قرار دیا ہے'۔ یہ حرف بحرف عبارت ہے تفسیر القرآن کی جس کو تنقیح البیان جواب تفسیر القرآن مطبوعہ دہلی کے ص ۱۸ میں بھی نقل کیا ہے۔

پھر تفسیر القرآن ص ۲۹ میں ہے کہ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموسِ اکبر اور زبانِ شرع میں جبریل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی خادم پہنچانے والا نہیں اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیاتِ ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے وہ خود ہی وہ مجسم خیر ہوتا ہے جس میں خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے اسی کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے اس کو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود کہتا ہے: وَ مَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۔ انتہی۔

پھر اسی تفسیر القرآن کے ص ۱۵۲ میں ہے کہ اسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیا میں پیدا کیا ہے جبریل نام ہے۔ الی قولہ۔ کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ انتہی

پھر اسی تفسیر القرآن کے ص ۱۵۳ میں لکھا ہے: جبرئیل و میکائیل کے نام جو قرآن مجید میں ہیں ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علاحدہ علاحدہ ایسے ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمرو، انتہیٰ۔

پھر ص ۱۵۴ میں لکھا ہے: یہ بات کہ جبریل درحقیقت کسی فرشتہ کا نام ہے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ ہاں اس قدر تسلیم ہوسکتا ہے کہ اسے ملکہ نبوت پر جبریل کا اطلاق ہوا ہے۔ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ انتہی

اور ص ۶۳ میں ہے: فرشتے یعنی قوائے ملکی ابلیس یا شیطان یعنی قوائے بہیمی۔ انتہی

پھر ص ۱۵۳ میں لکھا ہے: ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قوائے پر جس سے انتظام عالم مربوط ہے اور ان شیونِ قدرت کاملہ پروردگار پر جو اس کے ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوتِ درجہ ظاہر ہوتے ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ انتہی

یہ عبارات تفسیر القرآن کی بعینہٖ ہیں جو تنقیح البیان جواب تفسیر القرآن میں بھی بعضے یہ عبارات منقول ہیں۔

اب فقیر عرض کرتا ہے کہ خان صاحب بہادر نے ان عبارات میں صریح طور پر سب ملائکہ کے وجود کا عموماً اور جبریل و میکائیل کا خصوصاً انکار کیا ہے جس کا سارے مفسرین متقدمین و متاخرین بہ سند قرآن و حدیث اجماع امت اثبات کر رہے ہیں۔ کوئی ادنی دانشمند بھی خیال نہیں کر سکتا ہے کہ ہزار ہا لاکھ ہا علمائے اسلام بھول گئے اور انہوں نے معانی قرآن کے ٹھیک طور پر نہیں کیا اور صرف خان صاحب بہادر کو تیرھویں صدی کے اخیر میں قرآن کی ٹھیک حقیقت معلوم ہو گئی- حاشا و کلا- عقل سلیم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتی بلکہ معنی قرآن کے وہی ہیں جو آں حضرت ﷺ سے جن پر وحی ہوئی تھی منقول ہو کر اسناد کے ساتھ علما کو معلوم ہوتے رہے اور دینی کتابوں میں لکھے گئے۔ اور خان صاحب جو سب کے برخلاف چلتے ہیں تو عقل بھی شہادت دیتی ہے کہ یہ ایک ہی خلاف پر ہے اور اگلے سب راستی پر تھے۔

اب سنو کہ یہ ان کا بیان کہ فرشتے قوائے کا نام ہے اور ان کا وجود زید و عمرو کی طرح کوئی نہیں اور یہودیوں کے نام رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سراسر منطوقِ قرآن کے برخلاف ہے۔ بہت سی وجہوں سے جن میں سے چند وجوہ بیان ہوتی ہیں :

پہلی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کو قوتیں اور جبریل امین علی نبینا وعلیہ السلام کو ملکہ نبوت ماننا استعمال میں زنانہ جاننا ہے، اور یہ بات بحکم خالق البریات غلط ہے اور بالکل واہیات، کیوں کہ سورۂ حٰم زخرف میں ارشاد ہے :

وَجَعَلُوا الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۝ (سورۂ زخرف:۴۳/۱۹)

یعنی اور کافروں نے مقرر کیا فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں عورتیں یعنی دختریں۔

ف : یہ جو فرمایا بندے رحمٰن کے ہیں یعنی بیٹیاں نہیں اور معلوم ہوا کہ فرشتے اگرچہ نہ مرد ہیں نہ عورت، پر بولی مردانی بولیے- کذا فی موضح القرآن و فتح الرحمٰن وغیرہما-

اس آیت مبارک سے صریح ثابت ہے کہ فرشتے عباد ہیں قوا نہیں ہیں اور نہ ان کو بصیغہ مؤنث یاد کرنا روا ہے، نیز جابجا قرآن مجید میں فرشتوں کی طرف ضمیر ذوی العقول راجع فرما رہے ہیں جیسا

کہ فَسَجَدَ الْمَلَائِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ۔

اور خود خان صاحب بہادر ص ۵۷ میں اپنی تفسیر القرآن میں اقرار کر رہے ہیں کہ انبئھم اور اسمائھم میں جو ھُمْ کی ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے انتہی ۔ پھر ذوی العقول سے قوا اور ملکہ نبوت مراد بیان کرنا غیر ذوی العقول کا کام ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاطر کی پہلی آیت یوں ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلاً اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o (سورۂ فاطر:۱/۳۵)

یعنی سب تعریف اللہ کو ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا جس نے مقرر کیے فرشتے پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار، بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

ف: بڑھاتا ہے یعنی چار سے زیادہ پر ہیں بعضوں کے۔ جبریل کے چھ سو ہیں۔ کذا فی موضح القرآن وغیرہ۔

اب دیکھو کہ اس آیت شریف سے صراحۃً فرشتوں کا مخلوق ہونا جس کو جسمیت لازم ہے ثابت ہوا اور نیز ان کا پیغام لانا۔ اس لیے سارے مفسروں نے اس بات کو مانا اور خان صاحب بہادر نے جو قرآن کے حکم سے روگردانا اور بایں ہمہ ہدایت یافتوں کا گم راہ بتانا اور عوام لوگوں کا بہکانا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے انکار سے بچائے اور سیدھے راستہ پر لائے۔

تیسری وجہ سورۂ انفال کے دوسرے رکوع میں ہے :

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا o (سورۂ انفال:۱۲/۸)

یعنی جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت کرو مسلمانوں کے۔

اس آیت مبارک سے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کی طرف حکم بھیجنا اور ان سے مومنوں کی تائید کرانی

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

صریح بتا رہی ہے کہ فرشتے خدا کے بندے مجسم ہیں جن کو پیغامِ الٰہی آتے ہیں اور وہ احکام الٰہی آگے پہنچاتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ سورۂ زمر کے اخیر میں ارشاد ہے :

وَ تَرَی الْمَلَائِکَۃُ حَافِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ o (سورۂ زمر:۳۹؍۷۵)

یعنی تو دیکھے فرشتوں کو کھڑے ہیں عرش کے گرد پاکی سے بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں۔

یہ آیت مبارک بھی سارے مفسرین کے بیانوں کو سچا کرتی ہے اور خان صاحب بہادر کے خام خیال کی بہ ہزار زبان تکذیب فرما رہی ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ابتدائے سورۂ حم مؤمن میں فرمان ہے :

الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وَقِهِمُ السَّیِّئَاتِ... o (سورۂ غافر:۴۰؍۷تا۹)

NarseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

یعنی جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور اس کے جو گرد ہیں پاکی سے بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے، اے رب ہمارے ہر چیز سمائی ہے تیری مہر و علم میں سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں اور چلیں تری راہ پر اور بچا ان کو آگ دوزخ سے، اے رب ہمارے داخل کر ان کو ہمیشہ بسنے کے باغوں میں جن کا وعدہ دیا تو نے ان کو اور جو کوئی نیک ہوا ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولادوں میں بے شک تو ہے زبردست حکمت والا اور بچا ان کو برائیوں سے۔

ف: تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے، اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا - کذا فی موضح

القرآن وغیرہ۔

اب ان آیتوں سے بہ وضوح تمام متحقق ہے کہ فرشتے تن دار مجسم ہیں جو عرشِ مجید کو اٹھانے والے اور اس کے گرد گرد خدا کی تسبیح تحمید میں مشغول ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بہ خوب ترین اُسلوب و طرز مرغوب باری تعالیٰ سے شفاعت کرتے ہیں جن کا خدا اور اس کے فرشتوں پر ایمان ہے ان کے گناہ بخشواتے اور دوزخ سے چھڑواتے اور بہشت میں داخل کرواتے ہیں اور گناہوں سے بچاتے ہیں۔

پس سارے مفسرین اور جمیع مومنین جن کا خدا تعالیٰ اور فرشتوں اور بہشت و دوزخ پر ایمان ہے وہ فرشتوں کی شفاعت سے مغفور ہیں اور خان صاحب بہادر جو ملائکہ کو صرف وہمی قوتیں جانتے اور بہشت دوزخ کا بھی وجود نہیں مانتے ہیں۔ کما سیاتی۔ قرآن کے برخلاف ہو کر فرشتوں کی دعا و اِستغفار سے محروم و مہجور ہیں۔ العیاذ باللہ من ذالک۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ خان صاحب بہادر نے جو تفسیر القرآن کے ص ۲۹ میں لکھا ہے: اس کو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود کہتا ہے: وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى جیسا کہ یہ عبارت اوپر منقول ہو چکی ہے سراسر ان کی کم لیاقتی پر دلیل ہے کیوں کہ جو شخص خود بولتا ہے اور کوئی اسے نہیں بلواتا ہے تو اس کا بولنا ہوائے نفسانی سے ٹھہرا پھر اس کے حق میں وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کیوں کر راست آیا وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى تو اس کے حق میں راست آتا ہے جو خود نہیں بولتا ہے بلکہ اس کو کوئی بلواتا ہے اور اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس کا بولنا خود بخود نہیں بلکہ خدا کی طرف سے جو پیغام آتا ہے وہ آگے پہنچاتا ہے تو اب خان صاحب بہادر کی دلیل سے ہی ان کا دعویٰ جھوٹا ہو گیا اور کیوں نہ ہو جب اس آیت سے اگلی آیت یوں ہے :

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ ... ۝ (سورۂ نجم:۵۳/۵،۶)

> یعنی پیغمبر خواہش نفسانی سے بات کرتا ہی نہیں قرآن مگر وحی کو اس کی طرف بھیجی گئی ہے سکھلائی ہے اس کو فرشتے بڑے باقوت صاحب حسن نے۔ کذا فی فتح الرحمٰن وغیرہ۔

پس اسی آیت خان صاحب بہادر کی دلیل سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ وہ وحی خود بہ خود دل میں نہیں آتی ہے بلکہ ایک فرشتے نے تعلیم کی ہے جو اس کے پاس ہمیشہ آمد و رفت رکھتا ہے جیسا کہ

سارے مفسرین قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں اور اہل کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ بے شک وہ جسیم قوی حسین ہے صرف قوت اور ملکہ ہی نہیں کہ یہ مجنونانہ خیال ہے۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ﷺ کا جبریل امین کو اصلی شکل میں دیکھنا قرآن سے دو مرتبہ ثابت ہے جس کا ذکر سورۃ النجم میں موجود ہے کہ **فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی** اور **وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی.** اور خود رسول کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں ارشاد کیا ہے جس کو مولانا شاہ عبدالعزیز تفسیر فتح العزیز میں لائے ہیں کہ حدیث شریف میں آپ نے فرمایا کہ میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا مگر دو بار۔

ایک بار تو جب وحی میں دیر ہوگئی تھی اور میں نے چاہا کہ پہاڑ سے نیچے گر جاؤں تب میں نے دیکھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شرقی جانب جبرئیل چمکدار زرّیں کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کی شکل نے سارے آسمان کے کنارے کو روک لیا ہے اور ان کے چھ سو پر ہیں سارے یاقوت اور مروارید سے مرصع ہیں، نہایت عجیب اور نورانی شکل میں دیکھا۔

اور دوسری مرتبہ شب معراج سدرۃ المنتہی کے پاس اسی شکل میں دیکھا اور قرآن مجید میں ابتدائے سورۃ النجم میں ان دونوں مرتبہ دیکھنے کا ذکر ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت فتح العزیز کا جو اصل عبارت بھی حاشیہ میں مرقوم ہوتی ہے، اور حدیث بہت سی دینی کتابوں میں موجود ہے۔(۱)

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ سورۂ کوّرت میں اللہ تعالیٰ نے بلیغ قسموں کے بعد قرآن مجید کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے :

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْن وَ مَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَّ لَقَدْ رَآہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ o (سورۂ تکویر:۸۱/۱۹ تا ۲۳)

---

(۱) حاشیہ: در حدیث شریف وارد است کہ من جبرئیل را گاہے بصورت اصلیہ اش ندیدہ ام مگر دو بار یکبار در زمان فترت وحی کہ بیتاب شدہ میخواستم کہ خود را از بالاے کوہ بیندازم بایں داعیہ در مقام احیاد کہ مکانیست در مکہ معظّمہ گزشتم در آں وقت جبرئیل را دیدم کہ بر کرسی زرّیں درخشاں درمیان آسمان و زمین جانب شرق نشستہ اند و ہیکل ایشاں تمام کنارہ آسمان را فرا گرفتہ ششصد پر دارد ہائے ایشاں ہمنہ بجر وارید و یاقوت یافتہ شعرہ شکل عجیب نورانی مشاہدہ کردم، و بار دوئم در شب معراج نزد سدرۃ المنتہی نیز ایشاں را بہمیں صورت دیدم و در سورۂ نجم ایں ہر دو بار راندکور فرمودہ اند۔ تفسیر فتح العزیز من عن۔

> یعنی بے شک یہ قرآن البتہ سخن ہے خدا کی طرف سے خدا کے ایلچی کا پہنچایا ہوا جو عزت والا قوت والا عرش کے مالک کے نزدیک مرتبے والا ملکوت آسمان میں فرمان برداری کیا گیا امانت دار اور تمہارا صاحب یعنی پیغمبر دیوانہ نہیں اور بے شک اس نے اس فرشتے کو آسمان کے روشن کنارے میں دیکھا ہے۔ کذا فی فتح العزیز وغیرہ۔

پس اب غور کرو کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام کو ان آیتوں میں ایلچی فرما کر ان عمدہ صفات سے موصوف فرمایا اور پھر رسول اکرم ﷺ نے اس کا بیان یوں بتایا کہ ایک دن اس نے جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت اور امانت سے تعریف کی ہے بارے اپنی قوت اور امانت سے کوئی حکایت بیان فرمایئے تو جبرئیل امین علی نبینا وعلیہ السلام نے کہا کہ میری قوت اس قدر ہے کہ مجھ کو قوم لوط کے چاروں شہروں کی تخریب کے لیے باری تعالیٰ نے بھیجا تھا ان شہروں میں سے ایک شہر سدوم تین چار لاکھ مرد ہتھیار باندھنے والے تھے میں نے ان چاروں شہروں کو ساتویں زمین کے نیچے سے اپنے ایک پر کے اوپر اٹھا کر اس قدر اونچا آسمان کے نزدیک لے گیا کہ آسمان کے رہنے والوں کو ان شہروں کے مرغوں اور کتوں کی آواز سنی جاتی تھی پھر ان شہروں کو الٹا کر کے پھینکا اور اس میں مجھے کچھ تکلیف معلوم نہ ہوئی اور میں امانت دار ایسا ہوں کہ جب کبھی مجھے کوئی حکم ہوا تو میں نے بلا کم و کاست اور بغیر تغیر و تبدل کے اسے پورا کیا اور جب کوئی بھید مجھے فرمایا تو میں اسے سینہ میں مدفون کر کے کسی سے درمیان نہ لایا۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔ اور اصل عبارت تفسیر فتح العزیز کی جو فارسی ہے قریب الفہم حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

---

(۱) حاشیہ: درحدیث شریف وارد است کہ آں حضرت ﷺ ذرے با حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام فرمودہ کہ حق تعالیٰ شمارا با قوت و امانت صفت فرمودہ است بارپیش از قوت و امانت خود حکایتے بفرمائید ایشاں فرمودند کہ قوت من با؟؟؟ کہ مرا برائے تخریب شہر ہائے قوم لوط کہ چہار شہر بودند دریک شہر ازاں شہر ہا کہ سدوم نام داشت چہار لکھ مرد اسلحہ دار سائے زنان و اطفار بودند من آں ہمہ شہر ہا را از زمین ہفتم بیک پر خود بر دشتہ آنقدر نزدیک آسمان بردم کہ ساکنان آسمان بانگ خروسان و سگان آں شہر ہا برداشتہ میشنیدند باز آں ہمہ شہر ہا را واژگون انداختم و مرا ہیچ تعب و کلال محسوس نشد و امانت من با؟؟؟ است کہ مرا ہیچ گاہ بخبرے فرمودند الا بے کم و کاست و بے تغیر و تبدل بجا آوردم و ہیچ رائے باہم نکشو دند الا کہ آں از مرا در سینہ خود مدفون داشتم و نزد غیر درمیان نیاوردم۔ تفسیر عزیزی من عن۔

اب جس نے کہا کہ جبریل صرف ملکہ نبوت کا نام ہے کوئی اور واسطہ خدا اور پیغمبر میں نہیں ہے تو اسے کلام الٰہی اور احادیث رسالت پناہی کا صریح انکار ہے۔ نعوذ باللّٰہ العظیم من ھذا الذنب الجسیم۔

نویں وجہ یہ ہے کہ سورۂ اقرا کہ جس کو سورۂ علق بھی کہتے ہیں، پہلی پانچوں آیتیں جو اکثر مفسرین کے نزدیک اوّل ما نزل من القرآن اس کی شان نزول میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں بہ روایت حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آیا ہے جس کو ختم المحد ثین خاتم المفسرین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بضم دیگر روایات تفسیر فتح العزیز میں درج فرمایا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کی کیفیت یوں ہے کہ حضرت ﷺ کو پہلے وحی کی علامت سچی خوابیں تھیں کہ آپ جو کچھ رات کو خواب دیکھتے دن کو بعینہٖ واقع ہو جاتا پھر ان کو خلوت اور گوشہ نشینی کی محبت غالب ہوئی تو حرا پہاڑ میں جو مکہ کے متصل ہے تشریف لے جا کر غار میں خلوت فرمائی چند روز کا کھانا لے کر اکیلے خدا کی حمد وثنا میں مصروف رہتے۔ جب وہ آزوقہ ختم ہوتا تو آپ گھر میں تشریف لاتے چندے اہل وعیال کے حقوق اَدا فرما کر پھر آزوقہ ہمراہ لے کر غار کو جاتے بسا اوقات غار میں ایک مہینے سے کم رہتے اور کبھی ایک مہینہ تک وہاں پر رہنا ہوتا۔

ایک دن آپ غسل کے ارادے پر غار سے نکل کر پانی کے کنارے کھڑے تھے کہ جبریل امین نے پکارا یا محمد ﷺ! آپ نے اونچی نظر کی کچھ نہ دیکھا دوبارہ سہ بارہ آواز آئی آپ حیران دائیں بائیں دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک نورانی شخص آفتاب سا روشن نور کا تاج سر پر دھرے ہوئے عمدہ سبز لباس پہنے ہوئے آدمی کی شکل پر آپ کے پاس آیا اور فرمایا کہ پڑھو اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے ہاتھ میں سبز دریائی کے کپڑے پر کچھ لکھا ہوا تھا وہ آپ کو دکھایا اور فرمایا کہ پڑھیے، آپ نے فرمایا: میں حرف شناس نہیں، ان پڑھ ہوں۔ اس نے پھر کہا کہ پڑھو اور آپ کو بہت زور سے چھاتی سے لگایا یہاں تک کہ آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور پسینہ آیا تین مرتبہ ایسا کیا پھر کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ تا پانچوں آیتیں۔

ابتدا اس سورہ کی آپ کو یاد ہو گئیں۔ اور بعضے روایتوں میں آیا ہے کہ اسی بزرگ نے یہ پانچ آیتیں ورد کرا کے زمین پر اپنا پائے نور مارا چشمہ پانی کا جاری ہوا آپ کو غسل اور وضو اور استنجا کا

طریقہ سکھلایا اور دوگانہ نماز کا پڑھا اور الحمد شریف بھی یاد کرایا کہ نماز میں پڑھا کریں۔

ازاں بعد آپ لرزاں ترساں گھر کی طرف تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو آپ کی حرم محترم تھیں فرمایا کہ مجھ پر بالا پوش ڈالو کہ لرزہ دفع ہو۔ جب لرزہ دفع ہوا تو ام المومنین نے حال پوچھا تب آپ نے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس صدمہ سے کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔

تب ام المومنین نے عرض کی کہ آپ اصلاً نہ ڈریے۔ اللہ تعالی نے آپ کو اپنی رحمت کا مظہر بنایا ہے، آپ ضعیفوں پر رحم فرماتے ہو اور خویشوں کو احسان اور سلوک سے عزیز رکھتے ہو، مہمان کی ضیافت کرتے ہو، حاجتمندوں کو مدد دیتے ہو، ایسا شخص جو خلق اللہ پر رحم فرمائے وہ مستحق رحمت الٰہی ہوتا ہے نہ کہ مستوجب غضب کا۔

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو نصاریٰ کا دین رکھتا تھا اور عبرانی کتابیں اور توریت وانجیل سے ماہر تھا اور ان کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ لکھا کرتا تھا۔ ام المومنین نے ان سے کہا کہ اے بھائی! اپنے برادر زادہ کا حال سن کہ کیا بیان کرتے ہیں۔

جب آپ نے سارا قصہ سنایا تو ورقہ نوفل نے بتایا کہ یہ جبرئیل ہے، جس کو اہل کتاب ''ناموسِ اکبر'' بولتے ہیں اور خدا کی طرف سے نبیوں پر وحی لاتا ہے اور موسیٰ پر بھی یہی نازل ہوتا رہتا تھا۔ آپ خوش ہو جایئے اور کچھ فکر نہ کیجیے لیکن افسوس ہے کہ اس نعمت کی قدر آپ کی قوم نہ پہچانے گی بلکہ آپ کو ایذا دیں گے، یہاں تک کہ آپ کو اس شہر سے نکالیں گے۔ کاش! تب تک میں زندہ رہوں کہ آپ کی خدمت گذاری اور مددگاری کر کے دو جہاں کی سعادت حاصل کروں۔ پھر تھوڑے روز بعد ورقہ جان بحق تسلیم ہوئے۔ آپ نے ان کو خواب میں دیکھا کہ سفید پوشاک رکھتے ہیں جس کی تعبیر فرمائی کہ یہ شخص بہشتی تھا۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر فتح العزیز کا۔

اب دیکھو کہ قرآن اور حدیث اور دوسری آسمانی کتابوں کے علما کی شہادت سے صاف ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام جسم اور اعضا رکھتے ہیں اور سب نبیوں پر احکامِ الٰہی کے پہنچانے میں واسطہ ہیں نہ یہ کہ معاذ اللہ ان کا وجود اور جسم کچھ نہیں صرف خیالی قوت اور ملکہ کا نام

جبرئیل ہے۔ نعوذ باللہ۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو شرح صدر نبوی کا سورۂ الم نشرح میں ذکر ہے تو اس کی نسبت مفسرین، اہل حدیث (یعنی گروہ محدثین) لکھتے ہیں کہ چار مرتبہ یہ واقعہ آپ سے درپیش آیا ہے: پہلی مرتبہ آپ کی عمر چار سالگی میں۔ دوسری مرتبہ عمر دس سالگی میں جس کو محدثین معتبرین میں سے ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر، ضیائی مقدسی اور عبداللہ بن احمد سند صحیح سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب دس سالہ ہوئے تو جنگل میں آپ کو دو شخص دکھائی دیے۔

آپ نے فرمایا کہ ان کی شکل جیسی میں نے کوئی نورانی شکل نہیں دیکھی تھی اور ان کی خوشبو جیسی کسی عطر میں خوشبو نہیں سونگھی گئی تھی اور ان کے کپڑوں جیسے کوئی کپڑے عمدگی اور صفائی اور زیبائش میں میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ دونوں شخص جبرئیل و میکائیل تھے۔ ان دونوں نے میرے بازو اتنے پکڑے کہ مجھے معلوم نہ ہوا اور مجھے آسانی سے پیٹھ پر لٹا دیا اور میرے پیٹ کو چاک کیا جب کہ نہ خون نکلا اور نہ درد ہوئی۔

ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا تھا اور دوسرا شخص اس سے میرا تمام اندرونہ دھوتا تھا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کا دل چاک کر کے کینہ اور حسد نکال ڈال چناں چہ اس نے میرے دل سے لہو کا تکّا نکال کر پھینک دیا، پھر کہا کہ مہربانی اور شفقت ان کے دل میں بھر دے جیسا کہ اس نے سکینہ میرے دل میں ڈالا، پھر میرا انگوٹھا پکڑ کر کہا کہ جائیے سلامتی اور عافیت سے روزگار بسر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تب سے میں نے اپنے دل میں ہر چھوٹے بڑے پر رحمت اور شفقت پاتا ہوں۔

تیسری مرتبہ جب زمانہ نبوت کا قریب آیا تب پھر آپ سے شق صدر ہوا جس کو بیہقی اور ابونعیم و دلائل النبوۃ اور ابوداود طیالسی اور حارث ابن ابی حسامہ نے اپنی مسندوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یوں لائے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ ایک مہینہ اعتکاف کی منت مانی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس اعتکاف میں شریک تھی اور وہ مہینہ رمضان کا تھا جس میں یہ دونوں غار میں معتکف تھے۔ ایک مرتبہ آپ رات کے وقت دیکھنے کے لیے غار سے باہر آکر تاروں کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آواز آئی السلام علیک آپ نے فرمایا کہ میں نے خیال کیا کہ کسی

جن کا گزار ہے۔ میں غار میں چلا گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا انہوں نے عرض کی کہ یہ کوئی خبر خوش ہے۔ سلام علیک امان اور محبت کی نشان ہے کچھ ڈر کی بات نہیں۔

آپ نے فرمایا میں پھر باہر آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ جبرئیل آفتاب کے تخت پر بیٹھا ہوا ایک پر مشرق تک پھیلا رہا ہے اور دوسرا مغرب تک۔ میں پھر مارے ڈر کے غار کی طرف متوجہ ہوا۔ جبرئیل نے مجھے فرصت نہ دی اور جلدی سے میرے اور غار کے درمیان آ گیا تا کہ اس کے دیکھنے اور کلام سننے پر میں مانوس ہوا تب جبرئیل نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فلانے وقت آپ تنہا آئیں میں اس وقت میں اکیلا منتظر کھڑا رہا۔

جب بہت دیر ہوئی میں نے چاہا کہ گھر کو لوٹ جاؤں اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں آسمان اور زمین میں بڑی شان وشوکت سے آ رہے ہیں اور مجھے دونوں نے پکڑ کے زمین پر لٹا دیا اور میرا سینہ چاک کر کے دل کو سونے کے طشت میں آبِ زم زم سے دھو کر کچھ اس میں سے نکالا، مجھے کچھ معلوم نہ ہوا، پھر دل کو اپنے مکان پر رکھ کر سینہ کو درست کر دیا اور دونوں فرشتوں نے میرے ہاتھ پاؤں پکڑ کے الٹایا جیسا کہ کسی چیز کے پھینکنے کے وقت برتن کو الٹاتے ہیں، پھر میری پیٹھ پر مہر لگائی جیسا کہ اس کی تاثیر میں نے اپنے دل میں پائی۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر فتح العزیز کا بہت سی عبارت کا حاشیہ پر لکھنا مشکل ہے جس کا جی چاہے الم نشرح کی تفسیر میں دیکھ لے۔

اور چوتھی بار شق صدر شب معراج میں ہوا جس کو بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہم نے روایت کیا ہے اور وہ قصہ معراج میں مشہور متواتر ہے، اس کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔

اب قرآن اور حدیث سے بہ خوبی ثابت ہوا کہ خان صاحب بہادر کا یہ خیال کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں فرشتے اس نام کے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ موجود نہیں ہیں متعصّبانہ قرآن وحدیث سے منکرانہ مقال ہے نعوذ باللہ منہا۔

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید سورۂ تحریم میں فرمایا ہے :

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذَالِکَ ظَہِیْرٌ ○ (سورۂ تحریم:۴/۶۶)

یعنی بے شک اللہ وہی پیغمبر کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیکوکار مسلمان اور فرشتے اس سے پیچھے مددگار ہیں۔

اب اس آیت شریف کو یاد رکھ کر دوسری آیتوں کو بھی ملحوظ رکھو جو جنگوں میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ سورۂ انفال میں جنگ بدر کے موقع کا بیان ہے :

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّى مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ o (سورۂ انفال:۸/۹)

یعنی جب فریاد چاہتے تھے تم اپنے رب سے پس قبول کیا رب نے تمہارے لیے کہ بے شک میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ایک ہزار فرشتے جو آگے پیچھے آنے والے ہیں۔

پھر اس سے تیسری آیت میں فرشتوں کو ارشاد ہے :

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ o (سورۂ انفال:۸/۱۲)

یعنی پس مارو اوپر گردنوں کے اور مارو ان میں سے ہر پوری پر یعنی ان کی سرانگشتان کاٹو۔

پھر اسی سورہ میں فرمان ہے :

اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ o (سورۂ انفال:۸/۵۰)

یعنی جب فوت کرتے تھے کافروں کو فرشتے مارتے تھے ان کے منہ اور پیٹھوں پر۔

پھر سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا o (سورۂ توبہ:۹/۲۶)

یعنی اور اتارے خدا نے لشکر جن کو تم نہیں دیکھتے اور عذاب کیا کافروں کو۔

پھر اسی سورہ میں فرمایا ہے :

وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى o (سورۂ توبہ:۹/۴۰)

یعنی خدا نے مدد کی پیغمبر کی لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کیا کافروں کی بات

کو نیچا۔

علی ہذا القیاس اور بھی آیات ہیں ان سب پر یقین کر کے آں حضرت ﷺ سے جو انہیں موقعوں پر ارشاد ہوئے ہیں ان سے بھی ایک دو سن لو کہ صحیح بخاری اور دوسرے صحاح میں بہ روایت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارد ہے کہ جب حضرت ﷺ جنگ احزاب سے واپس تشریف لائے اور ہتھیار اُتار کر غسل فرمایا تو جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہتھیار اُتار دیے بخدا ہم نے ابھی تک نہیں اُتارے، آپ ان کی طرف چلیے آپ نے فرمایا: کن کی طرف؟ ۔ عرض کی بنی قریظہ کی طرف۔ پس آپ بنی قریظہ کی طرف نکلے۔

یہ ترجمہ ہے بخاری وغیرہ کی حدیث کا اور تفسیر معالم التنزیل و مدارک وغیرہما میں بھی لکھا ہے کہ آپ جنگ احزاب سے جب لوٹے تو جبریل علی نبینا وعلیہ السلام گھوڑے پر چڑھے چڑھائے آپ کی خدمت میں آ نکلے۔ ان کے گھوڑے کے چہرے اور زین پر راستہ کی گرد وغبار پڑی ہوئی تھی آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے ان کے گھوڑے کا منہ صاف کیا الحدیث۔ یہ ترجمہ ہے عبارات تفاسیر کا جو حدیث صحیح سے بیان کیا ہے۔

اب غور کرو کہ سند عقیدۂ اہل سنت اور ساری امت بلکہ جمیع اہل کتاب کی کیسی صریح قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ جبرئیل و میکائیل اور سارے فرشتے علیحدہ علیحدہ اپنے تشخصات سے مجسم موجود ہیں، خدا کے بندے ہیں، جس جس کام پر باری تعالیٰ نے مامور کیا ہے نہایت خوبی اور خوش اُسلوبی سے اس کو انجام کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ o (سورۂ تحریم:۶۶/۶)

پس جس نے فرشتوں کے وجود اور جسم اور تشخص کا انکار کیا قرآن و حدیث سے منکر ہو کر علاوہ فرشتوں کا دشمن بھی ٹھہرا کیوں کہ جس نے ہست کو نیست کہا اور موجود یقینی کو موہوم بنایا تو بے شک اس کی دشمنی سے کوئی دقیقہ فروگزار نہ کیا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے دشمنوں کو کافر فرماتا ہے۔ سورۂ بقر پہلے پارہ میں ارشاد ہے :

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ o (سورۂ بقرہ:۲/۹۸)

یہود مردود باوجود اقرار موجودگی اور تشخص اور واسطہ ہونے حضرت جبرئیل کے صرف ان کی دشمنی سے کافر ہوئے تو جس نے ان کے وجود اور تشخص کا ہی انکار کیا اور موہوم محض قرار دیا وہ ۔معاذ اللہ۔ یہود سے بھی بڑھ کر خدا جل وعلا کا دشمن اور بے فرمان ٹھہرا، اور کیوں نہ ہو جب فرشتوں پر ایمان فرض ہے: کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ الآیہ (سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) جو اخیر سورہ بقر میں ارشاد ہے تو مومن کا یہ انکار اور اس سے دشمنی بھی کفر تحقیقی ہے۔ سورۂ نساء کے اخیر میں ہے :

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا o (سورۂ نساء: ۴/۱۳۶)

یعنی جو منکر ہوا خدا اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں اور پیغمبروں اور دن قیامت سے تو بے شک گمراہ ہوا گمراہی ظاہر۔

اور شرع سے متحقق ہے کہ ان میں سے ایک چیز کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسے بد اعتقاد سے امان دے، اور خان صاحب بہادر اور ان کے متبعین کو بھی سچی توبہ نصیب کرے کہ اس گردابِ بلا سے ساحل سلامت تک پہنچیں۔

باقی رہا خان صاحب بہادر کا یہ خیال کہ جو چیز دیکھنے میں نہ آئے تو اس پر کیوں کر یقین کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ ایک چیز کو ثابت اور متحقق فرمائے اور اس کا برحق رسول ﷺ بھی اس کو مشاہدہ فرما کر اس پر ایمان لائے جیسا کہ عنقریب قرآن سے ثابت کیا گیا ہے اور پھر قرآن وحدیث سب کو اس پر ایمان لانے کے واسطے ارشاد فرمائیں تو ایمان بالغیب کے معنی (جو سورۂ بقرہ کی ابتدا میں تعریف ہے کہ یؤمنون بالغیب، یعنی متقی وہ ہیں جو اَن دیکھی چیزوں کو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کر کے مان لیتے ہیں۔ کذا فی تفسیر العزیز وغیرہ۔) یہی ہیں کہ ہم مومنین احکام قرآن وحدیث کو واقعی طور پر دل وجان سے مان لیں اور خدانخواستہ خیالاتِ فلسفہ کو دماغ میں متمکن کر کے مجانین نہ کہلائیں اور دین برحق سے باہر نہ نکل جائیں۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

اور کوئی مسلمان بھی وجودِ ملائکہ سے عموماً اور حضرت جبرئیل امین سے خصوصاً کیوں کر منکر ہوسکتا

ہے جب کہ قرآن وحدیث ان کے وجود وجسمیت پر ناطق ہیں۔ اگر اوپر کے دلائل سے علاوہ اور بھی ثبوت درکار ہوں تو سن لیجیے کہ قرآن مجید صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نیچے سے جو مٹی اٹھائی تھی وہ بناوٹی گوسالہ کے قالب میں ڈال دی تو وہ زندہ ہوکر آواز کرنے لگا جس سے بنی اسرائیل دھوکہ میں آکر گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئے، پھر جب حضرتِ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے سامری سے پوچھا جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے :

مَا بَالُکَ یَا سَامِرِیُّ

اور کیا حال ہے تیرا اے سامری۔

پھر باری تعالیٰ نے اُس کا جواب بیان فرمایا ہے :

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَۃً مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُھَا o (سورۂ طٰہٰ: ۲۰/۹۶)

دیکھا میں نے اس کو جو انہوں نے نہیں دیکھا پس اٹھائی میں نے ایک مٹھی قدم رسول کے نیچے سے، پس ڈالا میں نے اس کو۔

اور تفاسیر مشہورہ میں لکھا ہے کہ ایک قراءت میں من اثر فرسِ الرسول بھی آیا ہے۔ پس قرآن شریف سے متحقق ہوا کہ نبیوں کے سوا بعضے اور لوگوں نے بھی فرشتوں کو دیکھا ہے۔ اور صحیحین وغیرہما کی حدیث میں وارد ہے کہ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل ایمان، اسلام اور احسان کے معنی پوچھنے کے واسطے تشریف لائے جن کو بہت صحابہ کبار نے دیکھا۔ نیز جنگ بدر وغیرہ میں فرشتوں کو صحابۂ کرام کا دیکھنا ثابت ہے جس کا انکار ایماندار کی مجال نہیں ہے۔

تفسیر فتح العزیز میں مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ الآیۃ کے نیچے لکھا ہے کہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن آں حضرت ﷺ کی خلوت میں جا نکلا تو آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو دیکھا۔ تب آپ نے فرمایا: افسوس جس نے سوائے نبیوں کے جبرئیل کو سر کی آنکھوں سے دیکھا تو وہ نابینا ہو جاتا ہے، لیکن میں نے تیرے لیے حق تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ نابینائی تجھے آخر عمر میں لاحق ہو چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر فتح العزیز کا۔

NarseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

نیز اسی تفسیر میں بہ ضمن قصہ پیدائش حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے لکھتے ہیں کہ اکثر اہل اسلام اور یہود ونصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ فرشتے اجسامِ لطیفہ نورانی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے کہ جس شکل سے متشکل بن جائیں بن سکتے ہیں اور اہل مجاہدہ کشف کی رو سے ان صورتوں پر مطلع ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی حاجتمندوں کو ان کے عجائب تاثیرین حل مشکلات اور کفایت مہمات میں نمودار ہوتی ہیں۔

چناں چہ حکما نے لکھا ہے کہ جالینوس کو ایسی درد جگر لاحق ہوئی کہ اس کے علاج سے عاجز رہے۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شکل فرماتا ہے کہ دستِ راست کی شریان کا جو انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ہے فصد لے کہ تجھے مفید ہوگی، اس نے ایسا ہی کیا تندرست ہو گیا۔

اور شریعتوں میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ فرشتے ان گنت ہیں اور سب مخلوقات سے زیادہ اور صحیح حدیثوں کی رو سے فرشتوں کی خدمتیں یوں ثابت ہیں کہ بعض حاملانِ عرش ہیں اور بعضے اکابر ملائکہ بڑے بڑے کام ان کی تدبیروں سے وابستہ ہیں جیسا کہ حضرت جبریل صاحب علم وحی اور حضرت میکائیل صاحب رزق اور غذا کے اور حضرت اسرافیل صاحب لوح محفوظ اور صور اور نفخ ارواح کے اور حضرت عزرائیل ملک الموت ہیں علی نبینا وعلیہم السلام، اور بعض فرشتے خازن بہشت کے اور بعض زبانیہ دوزخ کے اور بعض محافظ بنی آدم کے آفات اور بلیات سے اور بعض اعمال بنی آدم کے لکھنے والے اور بعض دنیا کے نظام پر موکل ہیں جیسا کہ ملک الجبال۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر عزیزی کا۔ اور دوسری جگہ اسی تفسیر میں ان خدمتوں کی توکیل اور تفویض کے دلائل بھی لکھے ہیں، اختصار کی جہت سے نقل نہیں کیے گئے۔

الغرض فرشتوں کے وجود اور جسم سے انکار کر کے ان کو وہمی قوتیں جاننا مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اس خام خیال خان صاحب بہادر کا رد وجواب قرآن وحدیث کی سند سے بسط مناسب کے ساتھ مرقوم ہوا۔ باقی خیالات کے رد میں اگر اسی قدر بسط ہو تو رسالہ طویل الذیل ہو جائے گا، اور ناظرین کم رغبت یا قلیل الفرصت کو تصدیع بڑھائے گا، اس لیے اب باقی خیالات کے رد میں ایک دو آیت وحدیث کے ذکر پر کفایت کروں گا – واللہ ہو الہادی –

دوسرا خیال خان صاحب بہادر کا یہ ہے کہ بہشت دوزخ دونوں بالفعل موجود نہیں جیسا کہ ص

۳۵ تفسیر القرآن میں لکھا ہے اُعِـدَّتْ جس کے معنی تیار یا آمادہ کے ہیں اس لفظ پر علمائے اسلام نے استدلال کر کے یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ

الـجنة و النار مخلوقتين یعنی بہشت اور دوزخ پیدا ہو چکے ہیں یعنی بالفعل موجود ہیں مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا اعدت کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا پھر صفحہ: ۳۸، ۳۹ میں لکھا ہے: یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے اس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ ہیں، شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی و ساقنین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں گھوسنین پہنتے ہیں، شراب پلا رہی ہیں الی قولہ ایسا بے ہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہترین ہیں۔

پھر ص ۴۰ میں لکھا ہے: وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہٖ وہی اشیا مقصود نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ انتھی بلفظہ

فقیر کہتا ہے کہ فی الواقع خان صاحب بہادر کے دل میں سخت تعصب پڑ گیا ہے کہ بمقابلہ علمائے اسلام کے جو اکابر محدثین و مفسرین اور فقہا و محدثین ہیں قرآن کے مضمون سے قطعی منکر ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید جو عربی زبان میں صاف بیان ہے اس کو حقیقت سے نکال کر مجاز کی طرف کھینچنا علاوہ ناراضگی حق تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ التسلیم کے سب اولی الالباب بھی اس کو برا جانتے ہیں، کیوں کہ جہاں حقیقت متعذر ہو وہاں مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور برخلاف اس کے ہر جگہ مضامین قرآن مبین کو مجاز اور تشبیہ پر محمول کرنا سخت بیجا اور بالکل ناروا ہے۔

اگر کسی مفسر نے بعد بیان کرنے اصلی معنی آیت کے کسی فلسفی فکر کے موافق کوئی تاویل بعید لکھ دی تو خان صاحب بہادر کو اس سے سند نہیں مل سکتی ہے، اس لیے کہ خان صاحب بہادر تو حقیقی معنی کے قائل ہی نہیں ہیں صرف تشبیہ اور مجاز کے قائل ہیں، پس کوئی بھی مفسرین اہل اسلام سے ان کے موافق نہیں اور ان کا کسی مسلمان سے اتفاق نہیں۔

اب ذرا غور کرو کہ دنیا میں جو عمدہ مکانات، لذیذ طعام، حسین عورتوں سے بوجہ حلال اِنتفاع

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

سب دینوں میں روا لکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کو اگر قیامت میں بجائے اس کے کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو حرام لذتوں سے باز رکھا یہ لذتیں حاصل ہوں اور بے فرمانوں کو بسبب اتباع ہوائے نفسانی کے دوزخ کی تکلیفیں لاحق ہوں تو کیا مانع ہے، اور فطرت انسانی کے کب مخالف ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ سراسر مطابق فطرت انسان کے ہے۔ پھر جب قرآن وحدیث میں یہ مطلب صاف صاف بیان ہے تو اس کا انکار سوائے بے دینی کے اور کیا متصور ہوسکتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اَنْ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِزْقاً قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا وَّلَھُمْ فِیْھَا اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۴،۲۵)

پس بچو اس آگ سے جس کا بالن (ایندھن) آدمی اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور خوشخبری دو ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اس بات کی کہ ان کے لیے موجود ہیں باغ (یعنی آٹھ جن کے نام یہ ہیں جنت الفردوس، جنت عدن، جنت الماویٰ، دارالخلد، دارالسلام، دارالمقام، علیین، جنت نعیم اور یہ باغ ہمیشہ سرسبز ہیں) اس لیے کہ ان کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں جب روزی دیے جائیں گے ان باغوں کے پھل سے (رزق خواہ حسی ہو یا عقلی یا خیالی) کہیں گے یہ رزق بدلہ اس چیز کا ہے کہ ہم کو دی گئی تھی اس سے پہلے (یعنی دنیا میں مقامات اور احوال سے جو ایمان اور نیک کاموں کے پھل تھے) اور دیے جائیں گے وہ رزق ہم رنگ اور ہم صورت یعنی باوجود تفاوت درلذت پھر بہشتی ایسی عمدہ مسکن اور ایسے لذیذ طعام کی خوشی کو تنہائی سے مکدر نہ کریں گے، کیوں کہ تنہائی میں سب عیش متعفن ہوتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

بہار عمر ملاقات دوستدارانست
چہ حظ بروخضر از عمر جاوداں تنہا

بلکہ ان کی خوشی کو کامل کرنے کے واسطے ان کو موافق ہم صحبت بھی دیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اور ان کے لیے ان باغوں اور نہروں ومیوہ جات میں عورتیں ہیں جو پاک اور صاف

ہوں گی یعنی بدخلقیوں سے اور بول براز، حیض ونفاس اور دوسری طبعی مکروہات سے پھر ان کو موت کا غم بھی دامن گیر نہ ہوگا، کیوں کہ اگر موت کا فکر لاحق رہا تو سب نعمتیں بیکار گئیں چناں چہ کہنے والے نے کہا۔

مرادِ منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں بردم
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

اس لیے ان کو اس غم سے بھی آزاد کیا گیا جیسا کہ فرماتے ہیں اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز۔

پہلے سیپارہ میں بہ ضمن قصہ پیدائش حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں :

وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ o (سورۂ بقرہ:۲/۳۶)

اور کہا ہم نے اے آدم! بس تو اور تیری عورت جنت میں رہو اور کھاؤ اس سے محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم بے انصاف ہو گے پھر ڈگایا اس کو شیطان نے اس سے پھر نکالا اس کو وہاں سے جس آرام میں تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک وقت تک۔

اب ان آیتوں سے کیسا صاف ظاہر ہے کہ بہشت ایک باغ ہے بے انتہا درخت کا جس میں ہر قسم کے کھانے کی چیزیں موجود ہیں۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام بحکم باری تعالیٰ اس میں چندے شادکام اور فائز المرام رہے، پھر شیطان نے دھوکہ اور وسواس سے ان کو وہاں سے نکلوایا چناں چہ آپ اس سے نکلے اور نیچے زمین پر اتارے گئے۔ پس بہشت کو برخلاف اس واقعی حقیقت کے کے حرف تشبیہ پر محمول کرنا بے شک انکارِ قرآن ہے۔ پھر سورۂ محمد (ﷺ) میں ارشاد ہے :

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ

مُّصَفًّى وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ٥ (سورۂ محمد:۴۷/۱۵)

یعنی صفت اس بہشت کی جس کا متقی وعدہ دیے گئے ہیں یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں پانی غیر متعفن یعنی لطیف اور پاکیزہ کی اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں بدلا اور نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو لذت دیتی ہے یعنی شراب حلال خوش ذائقہ بر خلاف شراب حرام کے کہ وہ تلخ ہوتی ہے اور نہریں ہیں شہد صاف کیے ہوئے کی اور بہشتیوں کے لیے وہاں پر ہر جنس کا میوہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بخشش ہو گی۔ کذا فی الجلالین و فتح الرحمٰن وغیرہما۔

اب ان آیات کی دلیل سے اہل سنت نے عقیدہ مقرر کیا ہے کہ بہشت اور دوزخ موجود و مہیا ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترۃ المعنی سے بھی یوں ہی ثابت ہے۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔ اس لیے بہشت اور دوزخ کے اعتقاد کرنے اور ان کے حق جاننے پر نجات منحصر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی میں آیا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللّٰہ پر یقین کیا اور محمد رسول اللّٰہ کو بھی مانا، اور حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا بندہ اور اس کا حکم جو مریم کی طرف القا ہوا اور روح اللہ پہچانا اور بہشت اور دوزخ کے حق ہونے پر بھی باور کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر آٹھوں بہشتوں کو مباح کر دے گا جس دروازہ سے وہ چاہے داخل ہو جائے گو عمل اس کے بڑے ہی ہوں۔ کذا فی الحصن الحصین۔

یعنی عقیدۂ اہل سنت و جماعت سے نجات ہو گی جس میں باور کرنا بہشت پر اور دوزخ پر حکم ہے، پس باوجود اس کے اگر خان صاحب بہادر حور و بہشت اور دوزخ کو تشبیہ پر محمول کر کے وہمی بتائیں اور علما اسلام کو بھول گئے فرمائیں تو بے شک جہال کو اپنے ساتھ رفیق کر کے خوشی منائیں، ورنہ اہل علم کے نزدیک تو ان کے خیالات محض ہذیانات اور خرافات ہیں۔

افسوس خان صاحب بہادر علومِ عربیت سے ایسے ناواقف ہیں کہ حالت رفع اور نصب میں تمیز نہیں رکھتے جیسا کہ عبارت عقیدۂ علمائے اسلام کو یعنی اَلْجَنَّةُ وَ النَّارُ مَخْلُوْقَتَان کو مخلوقتین لکھتے ہیں۔ چناں چہ ص ۴۵ سے منقول ہوا ہے (جو ص ۴۱ کے ابتدا پر بجنس منقول ہے۔ ۱۲)۔ پھر دعویٰ یہ ہے کہ علمائے اسلام بھول گئے اور ہم نے غور سے مطلب سمجھا۔ نعوذ باللہ من

الحور بعد الکور۔ فی الواقع اگر ان کو علم کامل و نافع نصیب ہوتا تو اس الحاد اور فساد میں نہ پڑتے۔

تیسرا خام خیال یہ ہے کہ خان صاحب بہادر تفسیر القرآن کے ص ۴۶ میں لکھتے ہیں: وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے۔ تمام مفسرین اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا۔ تعالیٰ شانہ عما یقولون۔ تنقیح البیان کے ص ۴۵ میں بھی یہ عبارت منقول ہوئی ہے۔

پھر خان صاحب بہادر ص ۵۲ میں لکھتے ہیں: خدا نے انسانی فطرت کے زبانِ حال سے آدم و شیطان کے قصہ یا خدا اور شیطان کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے، چناں چہ یہ عبارت تنقیح البیان کے ص ۴۹ میں بھی منقول ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ آیت: وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ سے اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ تک دس آیتوں میں حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے پیدا کرنے اور فرشتوں سے سجدہ کرانے اور شیطان کے روگردان ہونے کا ذکر ہے، جس کو تمام مفسرین اور سب اہل دین قرآن اور حدیث کی رو سے واقعی راست راست قصہ جانتے ہیں، چناں چہ خان صاحب بہادر بھی اس کے مقر ہیں اور قرآن مجید میں مکرر اس کا ذکر آیا ہے۔ اور احادیث صحاح ستہ وغیرہا سے بھی ثابت ہے جس کے ضمن میں فرشتوں اور ابلیس کے وجود کا ایمان داروں کو یقین آجاتا ہے۔ کما فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔

خان صاحب بہادر اس کو معما اور چیستان اور امر موہوم جان کر واقعی جاننے والوں کو گویا بے دین مانتے ہیں کہ ان کے حق میں۔ تعالیٰ شانہ عما یقولون۔ لکھتے ہیں: حق تعالیٰ جب ایک ذکر صاف بیان فرمائے اور رسول کریم ﷺ بھی موافق اس کے بتائیں اور سارے مفسرین مجتہدین و محدثین بھی اس کو ایک سچا قصہ مانیں، نیز جمہور اہل کتاب بھی بموجب حکم توریت و انجیل کے اس واقعہ پر ایمان لائیں اور واقعی جانیں جیسا کہ خود خان صاحب بہادر ص ۵۳ تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں: توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے فرشتوں سے کہا کہ ہم آدمی کو اپنی صورت پر بنائیں۔ انتہی۔ تو پھر خان صاحب بہادر اس کو جھگڑا یا مباحثہ جان کر اس کے منکر بن جائیں تو اسی کا نام الحاد اور دین حق میں فساد ہے۔ نعوذ باللہ العظیم من ہذا الذنب الجسیم۔

تنقیح البیان کے ص ۴۶ میں دبستان المذاہب مطبوعہ لکھنو ۱۸۷۷ء کے ص ۳۴۳ سے ۳۴۶ تک نقل کیا ہے کہ بعضے فلاسفہ بے دین نے جو اپنی عقل پر بہت نازاں تھے انہوں نے عقلی دلیلیں پیدا کر کے حضرت آدم کے قصے اور شیطان کے انکار اور جنت اور نار وغیرہا کو وہمی باتیں تصور کر کے ان سب چیزوں کی تاویلیں کی ہیں۔ پھر اسی تنقیح البیان میں دبستان المذاہب کے ص ۴۹۹ سے لکھا ہے اور مسیلمہ کذاب کی کتاب میں جسے وہ کتاب آسمانی اور وحی کہتا تھا لکھا ہے: یہ جو کہتے ہیں کہ خدا نے ابلیس کو سجدۂ آدم کا حکم دیا اور اس نے انکار کیا اور اسی وجہ سے مردود ہوا یہ قول کفر ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کسی غیر کو سجدہ کرنے کا کبھی نہیں حکم دیتا اور اس نے کوئی شیطان جو آدمیوں کو گمراہ کرے پیدا نہیں کیا ہے، کوئی شیطان موجود نہیں دیکھو دبستان المذاہب ص ۴۹۹۔

انہیں باتوں کو خان صاحب بہادر بڑی فضول اور طول بیان کے ساتھ کئی ورقوں پر لکھا ہے یہ مضمون تنقیح البیان سے منقول ہوا ہے۔ پس بے شک خان صاحب بہادر قرآن وحدیث اور توریت وانجیل کے بیانوں سے منکر ہو کر بے دین فلاسفہ وغیرہم کے پیرو ہوئے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے۔

اور یہ جو خان صاحب بہادر تفسیر القرآن کے ص ۴۹ میں لکھتے ہیں کہ بعض اکابر اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں لکھتا ہوں اور امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے الخ۔ چناں چہ یہ عبارت تنقیح البیان کے ص ۴۸ میں بھی منقول ہوئی ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ خان صاحب بہادر کا یہ بہتانِ عظیم ہے حضرت ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ پر، کیوں کہ قطب صمدانی عارف شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں لکھتے ہیں کہ سب اکابر کا عموماً اور حضرت محی الدین ابن عربی کا خصوصاً یہی اعتقاد ہے کہ ملائکہ اور دوزخ اور بہشت وغیرہا سب حق ہیں اور احکام ظاہری شرع کے تمام مسلم اور درست ہیں جیسا کہ اہل سنت کے نزدیک محقق ومقرر ہے اور اس پر بھی اکابر اہل اسلام نے تصریح کی ہے کہ فصوص الحکم وغیرہ میں یہود نے تدلیسات کی ہیں جیسا کہ مولانا قاری نے شرح فقہ اکبر میں، نیز رد المحتار میں لکھا ہے۔

اور یہ امر بھی اہل علم پر ظاہر ہے کہ صوفیہ کرام قرآن وحدیث کے ظاہری اور اصلی معنی کو تسلیم کر کے دوسرے معنی بھی بطور اظہار اسرار کے بیان کرتے ہیں اور یہ کشفی باتیں عندالشرع کسی پر حجت نہیں اور نہ تفسیر میں داخل ہیں۔ کما صرح بہ فی الاتقان وغیرہ۔ بلکہ صرف بطور عبرت ونصیحت

کے ہوتی ہیں نہ یہ کہ خدانخواستہ صوفیا کرام خان صاحب بہادر کی طرح ظاہر احکام شرعی سے منکر ہو کر خام خیال کے پیچھے لگ کر ملحدانہ چال چلتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک الغرض سوا آیاتِ متشابہات کے سارا قرآن مجید قصص ہوں یا احکام اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں اور یہ ہی عقیدہ ہے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کا۔

اول خان صاحب بہادر کا دعویٰ تھا کہ ہم اہل ظواہر سے ہیں سو اب اہل ظواہر کو بھی چھوڑ گئے خان صاحب بہادر کے انتقالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ اور لباس پہننا ہے۔ اب دیکھو کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o (سورۂ بقرہ:۲/۳۴)

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے انکار کیا اور تکبر اور غرور۔

پھر سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں ہے :

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِکَةِ اسْجُدُوْا لاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۱)

پھر ہم نے کہا فرشتوں کو کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر شیطان سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔

پھر سورۂ حجر کے تیسرے رکوع میں ہے :

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ o (سورۂ حجر:۱۵/۳۰)

پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا۔

اس کے پیچھے شیطان کو ارشاد ہوا :

وَ اِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ o (سورۂ حجر:۱۵/۳۵)

اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک۔

پھر سورۂ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع کے ابتدا میں ہے :

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ o (سورۂ اسرا:۱۷/۶۱)

یعنی اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرہ پس سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ کیا۔

پھر سورۂ کہف کے نصف میں ہے :

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ o (سورۂ کہف:۱۸/۵۰)

اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر شیطان جو جنوں سے تھا پس شیطان اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردان ہوا۔

پھر سورۂ ص کے اخیر رکوع میں ہے :

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ o
(سورۂ ص:۳۸/۷۳،۷۴)

پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے تکبر کیا اور کافر ہوا۔

پھر جب اسے پوچھا گیا کہ تو نے کیوں نہ سجدہ کیا تو اس نے کہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ o (سورۂ ص:۳۸/۷۶)

میں آدم سے اچھا ہوں مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔

تو اسی سے وہ بہشت سے نکالا گیا اور رجیم اور لعنتی ہوا قیامت تک۔ پھر اس نے عرض کے: اے رب مجھے قیامت تک مہلت دے یعنی کہ نہ مروں۔

رب نے فرمایا: بے شک تو مہلت والوں سے ہے قیامت تک۔ شیطان نے کہا پس تیری عزت کی سوگند کر کے کہتا ہوں کہ بنی آدم سب کو گم راہ کروں گا مگر انہیں سے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ خدا نے فرمایا کہ یہ تیری بات سچ ہے اور میں بھی کہتا ہوں کہ ضرور تجھ سے اور تیرے سب کے سب تابع داروں سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ یہ ترجمہ ہے آیات سورۂ ص کا۔

پس غور کرو کہ جس نے خان صاحب بہادر کی طرح فرشتے اور شیطان اور جن کو موہوم چیزیں خیال کر کے ان کے وجود اور واقعی ہونے اس گفتار اور تکرار سے انکار کیا تو بے شک قرآن مجید کی چھ سات سورتوں کی بہت سی آیتوں سے منکر ہوا۔ نعوذ باللہ الکریم من ہذا الکفر العظیم۔ اور یہ جو اس قصہ کے زبان حال سے وہمی بیان ہونے پر تفسیر القرآن کے ص۵۳ میں زمین اور آسمان اور دوزخ کے بولنے کو (جو قرآن مجید میں مذکور ہے) دلیل گردانا گیا ہے۔

یعنی صاحب تفسیر القرآن کا یہ خیال ہے کہ جس طرح قرآن میں زمین و آسمان اور دوزخ کے اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا زبانِ حال سے مذکور ہے ویسا ہی قصہ آدم و شیطان و ملائکہ کا وہمی طور پر زبان حال سے مذکور ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب دانشمندوں کی عقل کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق الخلق نے ہی انسان کو زبان اور بیان دے کر دوسری ذی روح چیزوں پر ممتاز کیا ہے۔ پس اگر وہی خالق الکل اب چاہے کہ غیر ناطق چیزیں مجھ سے بات چیت کریں تو ہرگز کوئی بھی مانع نہیں کہ حیوانات یا جمادات یا نباتات اللہ تعالیٰ کے ارادے سے اپنا تخالف ظاہر کریں، اس کی قدرت سب پر عیاں ہے کہ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ فرمان ہے۔

پس خان صاحب بہادر جو زمین و آسمان دوزخ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے جواب میں بات چیت کرنے کو زبانِ حال سے بطور وہمی خیال کر رہے ہیں یہ اُن کی غلط فہمی اور پناہ بخدا انکار قدرت الٰہیہ کا ہے۔ پس جس خالق نے انسان کو زبان بخشی اور قوتِ تکلم عطا فرمائی اگر وہی ذوالجلال و الاکرام دوسری چیزوں کو جو ہماری نظروں میں بے زبان اور غیر حیوان ہیں زبان دے دے اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے کلام کریں اور باری تعالیٰ اپنے کلام صداقت نظام میں اس کا بیان فرمائے تو وہ کون مسلمان ہے کہ اس میں شک لائے پھر جن صوفیوں کی باتوں پر اعتبار کر کے خان صاحب بہادر برائے نام ان سے اپنا اتفاق ظاہر کرتے ہیں ان میں سے ایک جلیل القدر صوفی کا بیان ہے:

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند
پیش حق آتش ہمیشہ در قیام　　ہمچو عاشق روز و شب پیچان مدام

الحق صوفیوں سے اپنا اتفاق ظاہر کرنا خان صاحب بہادر کا عوام اہل اسلام کو دھوکہ دینا ہے کہ ان کے دام میں پھنس جائیں ورنہ کہاں صوفیا کرام کی مقال اور کہاں ان کی بول چال۔ اللہ تعالیٰ

سیدھے راستہ پر لائے اور پیچ وخم سے بچائے۔

چوتھا خام خیال خان صاحب بہادر کا یہ ہے کہ نبیوں کے معجزات کا اِنکار کرتے ہیں، چناں چہ تفسیر القرآن کے ص ۱۲۸ میں جو تنقیح البیان کے ص ۱۱۷ میں بھی منقول ہے لکھا ہے کہ ہم آیاتِ بینات سے جہاں کہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہے وہ چیز مراد نہیں لیتے جس کو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں گو مفسرین نے اکثر مقامات میں بلکہ قریباً کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لیے ہیں، مگر یہ غلطی ہے معجزہ پر آیت یا آیات کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ معجزہ امر مطلوب پر یعنی اثباتِ نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اھ۔

پھر ص ۱۳۵، ۱۳۶ میں ہے: تم کو رسول خدا ﷺ کے حال سے ظاہر ہوگا کہ آں حضرت نے نہ کسی ایک شخص کے اور نہ کسی گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہیں کہا کہ اس کے پہلے اس کے سامنے کوئی خرقِ عادت کی ہو۔ الی قولہ۔ اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے جہاں خدا نے آں حضرت سے فرمایا ہے :

> **وَقَالُواْ لَن نُّؤْمِنَ لَکَ حَتَّی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الأَرْضِ یَنبُوعاً، أَوْ تَکُونَ لَکَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِیلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الأَنْهَارَ خِلالَهَا تَفْجِیراً، أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاء کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفاً أَوْ تَأْتِیَ بِاللّهِ وَالْمَلآئِکَةِ قَبِیْلاً، أَوْ یَکُونَ لَکَ بَیْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَی فِیْ السَّمَاء وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتَّی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتَاباً نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنتُ إَلاَّ بَشَراً رَّسُولاً، وما منعنا ان نرسل بالأیٰت الا ان کذب بها الاولون .**

اور ترجمہ ان آیات کا جو خان صاحب بہادر نے لکھا ہے وہ حاشیہ پر منقول ہوتا ہے۔ (مصنف نے ترجمہ حاشیہ میں نقل کیا تھا ہم اسے سہولت کی خاطر متن میں نقل کر رہے ہیں۔ مرتبین)

> کافر کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین پھاڑ کر ہمارے لیے چشمہ نہ نکالے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ نہ ہو جس کے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نہ نکالے دُور سے بہتی ہوں یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے نہ ڈالے یا خدا اور

> فرشتوں کو اپنے ساتھ نہ لائے یا تیرے لیے کوئی مزین گھر نہ ہو یا تو آسمان پر چڑھ نہ جائے اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم پر ایسی کتاب نہ اُترے جو ہم پڑھ لیں (اس پر خدا اپنے پیغمبر سے کہتا ہے کہ) تو ان سے کہہ دے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر رسول (اور فرمایا کہ) نہیں روکا ہم کو آیات کے پہنچنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے تفسیر القران ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

پھر ص ۱۳۹ میں ہے: **هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً** کیوں کہ وہ اونٹنی فی نفسہٖ کوئی معجزہ نہ تھا۔ اور تہذیب الاخلاق میں جمادی الاول تا ماہ رمضان ۱۳۰۹ نبوی مطابق ۱۲۹۶ ہجری، و ۱۸۷۹ء کے صفحہ ۵۰ کی سطر ۲ میں لکھا ہے کہ معجزات حقیقت میں ایک بہان متی کا سانگ تھا۔ انتہی کذا فی تنقیح البیان ص: ۱۳۷۔

فقیر کہتا ہے کہ مطلب خان صاحب بہادر کا معجزات کے انکار سے اور علیٰ ہذا جبریل امین علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے وجود اور آنے جانے کے انکار سے اپنی پیغمبری کا بسہولت ثابت کر لینا ہے کہ جیسا اگلے نبیوں سے کوئی معجزہ نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی فرشتہ ان کے پاس وحی لے کر آیا صرف دلی خیالات سے وہ نبی مانے گئے تھے ویسا ہی خان صاحب بہادر بدون کسی معجزہ ونزول وحی کے صرف اپنے مجنونانہ خیالات سے شرعِ اسلام کو نسخ اور تبدل کر کے اپنی پیغمبری کا ڈنکہ بجا رہے ہیں مگر حاشا وکلا:

کلاہِ خسروی وتاجِ شاہی ☆ بہر کل کے رسد حاشا وکلا

جب تک علمائے اِسلام موجود ہیں ایسے بے صرفہ گو اور علم دین سے عاری کب قرآن کو تبدیل وتحریف معنوی کر سکتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ کمر بستہ ہو کر دندان شکن جواب لکھ دیتا ہے اور عقل ونقل دونوں کی رو سے غلطی ظاہر کر دکھاتا ہے، تا کہ مسلمان بھائی ایسے دین کے بگاڑنے والوں کے پنجہ سے نجات پائیں۔

خان صاحب بہادر جب خود مقر ہیں کہ مفسرین نے آیات سے معجزات مراد لیے ہیں، مگر یہ ان کی غلطی ہے درحقیقت مفسرین کی غلطی نہیں کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں قرآن وحدیث کے مطابق لکھتے ہیں جیسا کہ منقولاتِ صدر سے دین داروں پر روشن ہو چکا ہے اور یہاں پر بھی خان صاحب کی آیات منقولہ سے جو نفی معجزات سرور کائنات ﷺ پر دلیل لکھے ہیں بخوبی ثابت ہے کہ مراد الآیات

سے معجزات ہی ہیں کیا معنی کہ خان صاحب بہادر سے اللہ تعالیٰ نے آیت **وَمَا مَنَعْنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْآيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ** (اور ہم کو منع نہیں کیا معجزات کے بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا ان معجزوں کو پہلوں نے ۔۱۲منہ) کو جو پہلے آیاتِ منقولہ کے ماقبل کی ہے اسے مابعد نقل کرادی تاکہ اظہارِ حق کماینبغی ہو جائے۔

اس لیے کہ مراد اس آیات کے لفظ ''الآیات'' سے معجزات ہی بن سکتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی آیات کے نازل کرنے سے کبھی نہیں رکا سارا قرآن تمام وکمال نازل ہو گیا البتہ معجزات کو دیکھ کر جب کفار ایمان نہ لائے اور بے ایمانی وتکذیب پر ہی اصرار کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے معجزات کا ظاہر کرنا جب تک مصلحت دیکھی روک دیا تاکہ دُنیوی عذاب میں توقف رہے اور توبہ کا موقع ملا ہے-سبحان من سبقت رحمتہ علی غضبہ - اور ایسے معجزات مقترحہ کفار کا اظہار کرنا جن کے طلب کرنے میں کافروں کی نیت راستی پر آنے کی نہ ہو بلکہ صرف جھگڑنا اور جھٹلانا ہی منظور ہو کچھ قرین مصلحت نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے معجزات کسی خاص وقت میں کسی اگلے نبی یا آں حضرت صلی اللہ علیہ واخوانہ وعترتہ وسلم سے ظاہر نہ ہوئے تو کچھ قباحت نہیں چہ جائیکہ اس سے نفی معجزات کی پائی جائے جیسا کہ خان صاحب بہادر کا خیال ہے، کیوں کہ پھر دوسرے وقتوں میں بہت سے معجزات جو ان معجزات مقترحات سے بڑھ کر اچنبا تھے آپ سے ظاہر ہوئے جس پر قرآن وحدیث ناطق ہے جس کا عنقریب ذکر آتا ہے۔

پس پہلی آیات سے ثابت ہے کہ معجزہ مقترحہ کفار سے انکار تھا اور اخیر کی آیت صریح فرما رہی ہے کہ معجزات ہمیشہ جاری رہے صرف کفار کی شرارت کے سبب کبھی انہیں رکاوٹ ہو گئی۔ اب ان آیات کا (جن کو خان صاحب بہادر پادریوں کی طرح نفی معجزات پر دلیل لائے ہیں باوصف یہ کہ علما اسلام نے اس کے شافی جواب دیے ہیں چناں چہ فقیر نے بھی نغمہ طنبوری کے رد میں کسی قدر لکھا ہے)۔

مطلب یہ ہوا کہ کفار نے مکابرہ اور بے ادبی کی راہ سے آں حضرت ﷺ کو کہا کہ ہم تیری بات کبھی نہیں مانیں گے جب تک تم ہمارے لیے پانی کا چشمہ جاری نہ کرو) یعنی جیسا کہ موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام نے کیا تھا یا تمہارے لیے ایک باغ ہو جس میں میوے اور نہریں ہوں یعنی جیسا کہ

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر آتش نمرود باغ ہوئی (یا ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرادو) جیسا کہ بنی اسرائیل پر کوہ طور اونچا کیا گیا تھا) یا تم خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ لاؤ) یعنی جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام سے خدا کے دیکھنے کو کہا تھا) یا تمہارے لیے سنہری گھر ہو) یعنی بہشت جیسا کہ ادریس بہشت میں چلے گئے تھے) یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ یعنی جیسا کہ مسیح آسمان پر چڑھ گئے تھے) اور ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے تمہارے چڑھنے کو جب تک کہ اتار لاؤ ہم پر ایک کتاب جو ہم پڑھ لیں) یعنی جیسا موسیٰ توریت کے الواح لائے تھے خدا نے فرمایا: یا محمد! تو کہہ رب میرا پاک ہے میں اور تو کچھ نہیں مگر ایک آدمی پیغام کے پہنچانے والا ہوں پھر بموجب نقل کرنے خان صاحب بہادر کے ان آیتوں کو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کو ایسے معجزات کے بھیجنے سے اور کوئی رکاوٹ نہیں، مگر یہ کہ پہلے بھی سب لوگوں نے ایسے معجزات دیکھ کر تکذیب ہی کی تھی اور ایمان نہیں لائے تھے یعنی معجزہ تو صرف وسیلہ ایمان دلانے کا ہے نبی کی تصدیق پر کفار کے عاجز کرنے کی راہ سے۔

پھر جب معجزہ سے ایمان کی اُمید نہ ہو کافر عناد وفساد کے رو سے جھگڑا قائم کرنے کو معجزہ طلب کریں تو اس کے دکھلانے سے کیا فائدہ۔ اس لیے معجزات مقترحہ کے دکھلانے کی نبیوں کو کچھ ضرورت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کو متقیوں کی ہدایت منظور ہے۔ **هدی للمتقین** قرآن کی صفت ہے اصلی کافروں اور فاسقوں کی ہدایت کے لیے نبی نہیں آئے ان پر صرف الزامِ حجت کرنا ہوتا ہے **واللّٰہ لا یهدی القومَ الظٰلِمین** اور **الکافرین** اور **الفاسقین** وارد ہے۔ تفسیر فتح العزیز سورۃ النازعات میں لکھا ہے :

وفرعون را کہ کافر ازلی بود غرض الزام حجت وتخویف محض بود۔ انتہی

نیز ظہور معجزات کا باذن اللہ ہے۔ انبیا تابع مرضی الٰہی کے ہوتے ہیں۔ متصرف حقیقی اور فاعل حقیقی باری تعالیٰ ہی ہے۔ نبی اس کے محکوم و مامور ہیں۔ جب خدا چاہتا ہے ان کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جب نہیں چاہتا ہے ظاہر نہیں فرماتا ہے۔ اس کی حکمت وہ خود خوب جانتا ہے۔ چناں چہ یہی اُلوہیت اور عبودیت کا تقاضا ہے۔

پھر ان آیات سے انکار معجزات نکالنا قرآن پر ایمان لانے والوں کا کام نہیں ہے۔ الغرض یہ آیتیں مطلقاً معجزہ کی نفی پر ہرگز دلالت نہیں کرتی ہیں بلکہ اگلے نبیوں کے معجزات پر اِشارہ کر رہی

ہیں، چناں چہ ان کے ترجمہ میں فقیر نے لکھا ہے پس صرف معجزہ مقترحہ اور کارخانۂ خدائی میں شرکت کی نفی پر یہ آیت بینات دال ہیں دیکھو حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام جن کا وجودِ مسعود ہی معجزہ تھا اور قرآن مجید میں ان کے بہت سے معجزات کا ذکر ہے وہ بھی معجزہ مقترحہ کے دکھلانے سے انکار کر جاتے تھے جس سے درجہ عبودیت بھی روشن ہو جاتا تھا جیسا کہ انجیل مرقس کے باب ۸ کی آیت (۱۱،۱۲) سے ظاہر ہے۔

الحاصل خان صاحب بہادر کی غلطی پر اہل علم وعقل کو یقین اگر دل سے مان لینا لازم ہو گیا کہ مفسرین کی غلطی نہیں بلکہ صرف خان صاحب ہی لفظ لفظ میں غلطی کر رہے ہیں۔ دیکھو **لِرُقِیِّکَ** مشدد کے معنی منتر کر رہے ہیں جیسا کہ ان کا ترجمہ منقولہ حاشیہ ص ۴۷ بتا رہا ہے جس پر اطفالِ مکتب بھی ریش خند کر رہے ہیں کہ **رقیک** مشدد کے معنی چڑھنے کے ہیں جس پر قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیریں اور لغت کی کتابیں شاہد ہیں۔ خدا کرے بے علم اور بے ہدایت کوئی نہ ہو۔

اب مناسب وقت ہے کہ اختصار سے پہلے نبیوں کے معجزاتِ قرآنی ذکر کروں تا کہ دینداروں کو تفسیر القرآن کی واہیات سے کمالِ نفرت حاصل ہو۔ سورۂ والصافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ السلام نے جب کافروں کے بت توڑے اور لاجواب کیا تو انہوں نے کہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قَالُوْا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ o (سورۂ صافات: ۳۷/۹۷)

یعنی کافروں نے باہم کہا کہ ابراہیم کے لیے ایک عمارت بناؤ یعنی اس میں بہت آگ جلاؤ پھر اس کو اس آگ میں ڈال دو۔ کذا فی فتح الرحمٰن وغیرہ۔

اور سورۂ انبیا میں ہے :

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلاَماً عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ o (سورۂ انبیاء: ۲۱/۶۸)

یعنی کافروں نے آپس میں کہا کہ ابراہیم کو جلاؤ اور اپنے خداؤں کو مدد دو اگر کرنا ہے۔ القصہ آگ میں ڈالا تو خدا نے فرمایا: ہم نے کہا اے آگ سرد اور سلامت ہو ابراہیم پر۔ کذا فی فتح الرحمٰن وغیرہ۔

دیکھو آگ کا گلزار بنا دینا کیسا اپنے دوست کا معجزہ ظاہر کرنا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَ اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَا النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا o (سورۂ اسراء:۱۷/۵۹)

یعنی اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی تا کہ نشان ہو پس ظلم کیا اس کے ساتھ۔

اور سورۂ اعراف میں ہے :

قَدۡ جَآءَ تۡكُمۡ بَیِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰیَةً o (سورۂ اعراف:۷/۷۳)

یعنی حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا بے شک آئی ہے تمہارے لیے دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اونٹنی ہے خدا کی تمہارے لیے نشانی۔

اور سورۂ الشّمس میں ہے :

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡیٰهَا o (سورۂ شمس:۹۱/۱۳)

یعنی پس کہا ان کو خدا کے رسول نے جو حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ السلام تھے چھوڑ دو خدا کی اونٹنی اور اس کے آبخورہ کو خدا کی اونٹنی۔ اس لیے کہا کہ بلا واسطہ ماں باپ کے بہ حکم خدا پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور دلیل اور نشانی تھی قیامت پر اور مردوں کے زندہ ہونے پر۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہما میں لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ جنگ تبوک میں جب ثمود قوم صالح کے مکانوں میں پہنچے تو آپ نے صحابہ کو فرمایا کہ ان کے کنوں سے پانی نہ پیو اور اپنے چوپایوں کو بھی نہ پلاؤ اور ان کے مکانوں میں نہ جاؤ مگر روتے اور پھر آپ نے سر مبارک پر چادر اوڑھی اور جلد اس وادی سے گزرے۔

پھر تفسیر معالم التنزیل میں اس کے اخیر میں بہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: اما بعد تم اپنے رسول سے معجزے نہ طلب کیا کرو، یہ قوم صالح کی انہوں نے اپنے رسول سے اونٹنی کا سوال کیا تھا اللہ تعالیٰ نے معجزے سے اونٹنی پیدا کی، پس انہوں نے خدا کے حکم سے سرکشی رکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کیا۔ یہ ترجمہ ہے حدیث بخاری و ترمذی و محی السنہ کا۔

سورۂ اعراف میں ہے :

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ وَ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۰۶)

یعنی فرعون نے کہا: اگر تو یعنی اے موسیٰ لایا ہے کوئی معجزہ پس حاضر کر اگر تو سچا ہے دعویٔ پیغمبری میں پس ڈالا یعنی موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اپنا عصا پس اچانک وہ عصا ظاہراً اژدہا ہو گیا اور باہر لایا یعنی موسیٰ اپنا ہاتھ پس اچانک وہ ہاتھ نورانی ہوا دیکھنے والوں کے لیے۔

پھر بعد اس کے آٹھ آیت چھوڑ کر جہاں ذکر ہے کہ جادوگروں نے رسیوں کو سانپ بنا دیا فرمایا :

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۱۷)

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

یعنی اور ہم نے وحی بھیجی موسی کی طرف کہ تو ڈال دے اپنا عصا پس اچانک وہ عصا نگل جاتا ہے ان کے جھوٹ ظاہر کرنے کو۔

پھر دو آیت کے بعد فرمایا :

وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۲۰،۱۲۱)

یعنی اور ڈالے گئے جادوگر سجدہ کرنے والے کہا انہوں نے ہم ایمان لائے پروردگار عالمیان پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہٖ! جادوگر کافر بھی نبیوں کے معجزے دیکھ کر ایمان لاتے تھے اور خان صاحب بہادر مسلمانوں سے کہلا کر معجزوں سے منکر ہو کر ان کو سانگ بتاتے ہیں۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

سورۂ آل عمران میں ہے :

اَنِّىْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ

اُبْرِئُ الاَکْمَهَ وَالاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ o (سورۂ آل عمران::۳/۴۹)

یعنی حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ بے شک میں بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے شکل پرندہ کی مانند پس میں پھونکتا ہوں اس میں پس ہو جاتا ہے پنکھی خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردہ کو بہ حکم خدا۔

پھر سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ انہیں معجزوں کا حضرت عیسیٰ کو دینا تصدیق فرماتا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے :

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِی فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِی وَ تُبْرِئُ الاَکْمَهَ وَالاَبْرَصَ بِاِذْنِی وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ o (سورۂ مائدہ::۵/۱۱۰)

یعنی اور جب تو یعنی اے عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام پیدا کرتا ہے مٹی سے مانند شکل مرغ کی میرے حکم سے پس تو پھونکتا ہے اس میں پس ہو جاتا ہے پنکھی میرے حکم سے اور تو اچھا کر دیتا ہے مادر زاد اندھے اور کوڑی کو میرے حکم سے اور جب تو نکالتا ہے مردوں کو یعنی قبروں سے میرے حکم سے۔ کذا فی فتح الرحمٰن وغیرہ۔

پس ان قرآن کے محکم حکموں کی رو سے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر معجزات سے ان کی تائید کی ہے اور خان صاحب بہادر معجزات سے منکر ہو کر اور ان کو سانگ بتا کر اہل اسلام سے بھاگے جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

اب یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعترتہ وسلم اجمعین کے بعضے معجزۂ قرآنی ذکر کروں تا کہ خان صاحب بہادر کا پورا رد ہو جائے، اور شاید کہ ہادی حقیقی ان کے انکار کو اقرار سے بدل دے۔ سورۂ قمر کی ابتدا ہے :

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ یَّرَوْا آیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ o (سورۂ آل عمران::۵۴/۱،۲)

یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور کافر بے دین معجزہ دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے ہمیشہ کا۔

عیسائی علما اعتراض کرتے ہیں کہ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ شق القمر قیامت میں ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ سب کے سب مفسر متفق ہیں اس پر کہ یہ شق القمر بہ اِشارہ شہادت خیر البشر ﷺ حسب اِستدعاے کفار ہے۔ کسی مفسر نے جو یوں لکھا کہ قیامت کو ہوگا تو مطلب اس کا بیان ضعف اس توجیہ کا تھا جیسا کہ ذکر کرنا اس کا لفظ قِیْلَ سے اس پر شاہد ہے کیوں کہ آیت وَ اِنْ یَّرَوْا آیَۃً اس توجیہ کو باطل کر رہی ہے۔ کیا معنی کہ قیامت کو تو کوئی معجزہ کافروں کو نہیں دکھایا جائے گا جس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ یہ قدیم کا جادو ہے، تو اب صاف ثابت ہوا کہ شق القمر واقع ہوا جس کو دیکھ کر ابوجہل وغیرہ نے جھٹلایا اور جادو بتایا چناں چہ سب حدیثوں کی کتابوں میں یوں ہی لکھا ہے۔

پس عیسائی علما بہ سبب اپنی کم علمی یا ہٹ دھرمی کے اس کو نہیں مانتے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ حاسدین کیا کیا نہیں کہتے۔ مسلمانوں کے علما مفسرین اور محدثین کے سچے بیان کے علاوہ غیر دین والوں نے بھی اس معجزہ کے واقعہ ہونے کو مانا ہے۔

رسالہ حجت احمدی مطبوعہ بنگلور واقعہ ۱۲۹۸ ہجری کے ص ۳۵ میں لکھا ہے اور محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ کے مقالہ یازدہم میں لکھا ہے کہ یہ معجزہ شق القمر کا سامری نام راجہ ملیبار نے جو کرناٹک میں تھا بچشم خود دیکھا اور اپنے دفتر میں لکھوا دیا، اور جب حبیب بن مالک اور مالک بن دینار تاجران عرب سے آئے اور ان سے دریافت کیا اس معجزہ کی تصدیق پا کر ایمان لایا اور دوسری تواریخ سے پایا جاتا ہے کہ راجہ بھوج حاکم دکن نے یہ معجزہ شق القمر اپنی آنکھ سے دیکھا اور اس سے راجہ سراندیپ نے سنا اور پنڈتوں سے دریافت کر کے بعدِ تصدیق ایمان لایا۔ انتہی، علی ہذا القیاس۔

اور معجزاتِ قرآنی آں حضرت ﷺ کے ایسے ہیں جن کو اہل کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ تنقیح البیان جواب تفسیر القرآن کے ص ۱۲۱ میں لکھا ہے اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے تو بکثرت معجزے دکھائے ہیں جیسا کہ آل عمران رکوع ۲، وانفال رکوع ۵ وغیرہ مقاموں میں مذکور ہے جن کا اقرار علماے اہل کتاب نے بھی کیا ہے۔ دیکھو فہرست قرآن مرتبہ پادری ویری صاحب مطبوعہ لدیانہ ۱۸۷۶ء کے ص ۳۵ میں۔ انتہی ملخصاً

اور جو معجزے سرور عالم ﷺ کے صحیح حدیثوں میں مروی ہیں ان کا ثبوت بھی قرآن مجید سے ہو

سکتا ہے جیسا کہ رئیس اہل تمیز مولانا شاہ عبدالعزیز تفسیر الفتح العزیز کی پہلی جلد میں بذیل آیت وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ وَ مَا یَکْفُرُ بِھٰذَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ کے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ یہودی لوگ اگرچہ حضرت جبرئیل کی عداوت سے کافر ہوئے، مگر یہ بات قرآن کے انکار کا موجب نہیں ہو سکتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بلا واسطہ جبرئیل کے تم پر یا محمد ﷺ بہت معجزے اُتارے ہیں جیسا کہ آپ کے فراق میں ستون کا واویلا کرنا، درختوں نے آپ کا حکم ماننا، اونٹوں اور ہرنوں نے آپ کے پاس شکایات اور عرض حاجات کرنا، پتھروں اور پہاڑوں کا آپ کو سلام کرنا اور آپ کا باوجود اُمی ہونے کے علماے یہود وغیرہم کو جواب باصواب دینا اور ماسوائے اس کے کئی معجزے کہ سب مل کر تمہاری پیغمبری کے صحیح ہونے پر یقین دِلا دیتے ہیں اور ایسے باترتیب اور دیکھے گئے معجزوں کا انکار نہیں کر سکتا ہے، مگر وہی شخص جو کہ دین اسلام کے دائرے سے بالکل نکل جائے اور کسی دین اور آئین پر ایمان نہ لائے یعنی اگر دوسرے کسی دین کو مانے تو تو اس پیغمبر صاحب دین کے معجزوں کو بھی اسے ماننا پڑھے گا۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر فتح العزیز کا۔

فقیر کہتا ہے کہ یہ معجزے اور ایسا ہی صدہا دوسرے معجزے جو آں حضرت ﷺ سے ظاہر و مشتہر ہوئے ہیں اگر ان کی سندیں صحیح حدیثوں کی رو سے نقل کروں تو ایک دفتر طویل الذیل مرتب ہو جائے اس لیے اتنے ہی ذکر پر کفایت کر کے اس کے نتیجہ پر مطلع کرتا ہوں کہ سب کے نزدیک قرآنی اور متواتر اور مشہور معجزوں کا انکار کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے، اور منجملہ الحاد کے ہے، اس لیے بعضے علما غیر مقلدین نے بھی خان صاحب بہادر کے دجال ہونے کو ثابت کیا ہے۔

تنقیح البیان کے ص ۲۲۲ میں درج ہے کہ کتاب آثار القیامہ مصنفہ مولوی صدیق حسن خان کے ص ۲۳۹ میں منجملہ تیس نفر دجالوں کے جن کی خبر صحیح حدیثوں میں آئی ہے خان صاحب بہادر کو اٹھائیسواں دجال شمار کر کے ان کی صفت یوں لکھی ہے کہ ان دنوں میں بہ عہد برطانیہ ۱۲۷۳ ہجری کے بعد ایک شخص سید احمد خان نامی کاشمیری الاصل دہلوی الوطن جو پہلے صدر امین پھر صدر الصدور تھا اور اب ایس آئی کے خطاب سے مشہور ہے نیچری مذہب کا بانی ہوا ہے فرشتوں اور شیطانوں اور جنوں کے وجود سے منکر ہے اور اسلام میں غلام بنانے سے انکاری ہے اور نصاری کے ذبیحہ کو حلال

جانتا ہے اور نصاریٰ کے شعار اور لباس اور کھانے پینے وغیرہ میں تشابہ اختیار کرنے کو روا مانتا ہے الخ۔ یہ تحریری تنقیح البیان کے ص ۲۲۳ تک ہے۔

اب فقیر کہتا ہے کہ اگرچہ مولوی صدیق حسن بھوپالی نے خان صاحب بہادر کو دجالوں میں شمار کیا ہے مگر خود بدولت بھی بہت سے اصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہو کر خان صاحب کے موافق ہیں جیسا کہ اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہدین کو دلیل شرعی نہیں مانتے۔ دیکھو روضہ ندیہ شرح دربہیہ کا ص ۱۱، ۲۰۹۔

اور عرف الجادی کا ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸۔ اور یہی مطلب تہذیب الاخلاق ۱۲۹۵ ہجری میں درج ہے اور سب اہل سنت و جماعت کے نزدیک ادلہ شرعیہ چار ہیں: قرآن وحدیث واجماع امت وقیاس مجتہد۔ قرآن اصل الاصول ہے اور تینوں پچھلے اس کی شاخیں ہیں- کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ من التفاسیر وشروح الاحادیث وکتب الاصول-

پھر مولوی صاحب بھوپالی کی اس تحریر میں جو خان صاحب بہادر پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ نصاریٰ کے ذبیحہ کو یعنی جو بسم اللہ سے ذبح کریں حلال جانتے ہیں اور اگر اس سے اہل کتاب کا ذبیحہ تقرب لغیر اللہ یا گردن مروڑی مرغی مراد رکھی ہے جیسا کہ خان صاحب بہادر اس کو بھی حلال جانتے ہیں تو وہ اس سے غیر متبادر ہے، اس پر تصریح واجب ہے اور پھر اسی مسئلہ کے متعلقات میں مولوی صاحب بھوپالی کو خان صاحب بہادر سے اتفاق ہے چناں چہ روضۂ ندیہ کے ص ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ مشرکین کے ذبائح کا کھانا روا ہے، اور عرف الجادی کے ص ۱۱ میں ہے کہ سب کفار کے ذبائح کو خواہ بسم اللہ سے ذبح کریں یا بغیر بسم اللہ کے حلال لکھا ہے۔(۱)

---

(۱) اور فقیر نے بھی یہ کتاب مطبوعہ بھوپال مقام چکوری ضلع گجرات پنجاب میں دیکھی اس میں بصفحہ ۲۳۹ یہ اصل عبارت موجود ہے: دریں زمانہ بہ عہد برطانیہ بعد از ۱۲۷۳ ہجری سید احمد خان نام مردے کشمیری الاصل دہلی الموطن کہ پیشتر صدر ایں بعدہ صدر الصدور بود الحال بخطاب ایس آئی شہرت دارد موجد است نیچریہ گردیدہ از وجود ملائکہ وشیاطین و جنات انکار دارد واستقاق را در اسلام منکر است وبحلت ذبائح نصاریٰ اختیار وشعار و شعائر؟؟؟ ایشاں؟؟؟ ماکل ومشارب ومطاعم ومناکح وجذ آں قائل و بحث او دریں ابواب با علما اسلام در پیش مولوی بادوانعلم ڈپٹی کلکٹر؟؟؟۔

پھر نہج مقبول کے ص ۷۱، ۷۲ میں بھی اسی بات کو بڑی تاکید سے ثابت کیا ہے چناں چہ فقیر نے رسالہ تصریح ابحاث فرید کوٹ کی بارھویں توضیح میں ان کی اصل عبارتیں، نیز منشاء غلط مع اس کے اردو جواب کے تحریر کیا ہے۔ من شاء تمام الاطلاع فلینظر ثَمَّه ۔

اور خان صاحب بہادر نے بھی تفسیر القرآن کے ص ۲۰۷ میں کافر غیر کتابی کے ذبیحہ کو موافق بھوپال والوں کی تصریحات کے حلال لکھا ہے یعنی کہ قرآن سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اب بھوپال والوں اور خان صاحب بہادر کا متفقہ مسئلہ برخلاف چاروں مذاہب حنفی مالکی شافعی حنبلی کے ہے کہ یہ سارے اہل ایمان کافر غیر کتابی کے ذبیحہ کو بحکم قرآن وحدیث حرام جانتے ہیں جیسا کہ فقیر نے دلائل اس کی حرمت کے بقدر ضرورت رسالہ تصریح ابحاثِ فرید کوٹ میں لکھے ہیں پس مولوی صاحب بھوپال خان صاحب بہادر سے کیوں دست بہ گریبان ہوتے ہیں باوجود اتفاقِ اصول وفروع (۱) کے اگر خوف تطویل کا نہ ہوتا تو بہت سے اصول وفروع میں ان صاحبوں کا اتفاق باہمی اور مخالفت اہل سنت کی بیان کرتا مگر مشتے نمونہ خروار مثل مشہور ہے، اور باطنی دوستوں سے بہ ظاہر بزبان مخالف ہونا انصاف سے دُور ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ غیر مقلدین ہی نیچری ہوئے حامی حقیقی اور ہادیِ حقیقی کے فضل اور کرم سے مقلدین اہل اسلام ایسے تہلکوں سے محفوظ ہیں۔ فالحمد لله رب العالمین حمدا یوافی کرمه و یکافی مزید کرمه رجعنا الی هو المقصود۔

یہاں تک تو خان صاحب بہادر کے اصول عقائد اہل اسلام کے بگاڑنے کا بطور مشت نمونہ خروار بیان کیا گیا ہے۔ اب آگے ضروریاتِ دین یعنی فرائض ومحرماتِ اسلامیہ کے انکار وتبدیل کا

---

(۱) انصاف تو یہ ہے کہ مولوی صاحب بھوپالی بھی خان صاحب بہادر سے اتباع ہواء نفسانی میں کم درجہ کے نہیں ہیں جیسا کہ حرام کو حلال بنا دیتے ہیں ویسا ہی نجس چیزوں کو پاک جانتے ہیں سب حیوانات کے بول وبراز اور منی کو پاک جانتے ہیں اور شراب کو بھی پاکیزہ مانتے ہیں جیسا کہ فقیر نے رسالہ عروۃ المقلدین میں ان کی کتابوں کی عبارتوں سے اس مطلب کو ثابت کیا ہے من شاء فلینظر ثمہ ۔ ۱۲

الحمد للہ حمداً کثیراً کہ ان کی نوابی اور شوکت جس سے حنفیوں کو لعن طعن کر رہے تھے ہمارے سامنے ٹوٹے اور جیسے کے تیسے رہ گئے چنانچہ فقیر نے رسالہ عروۃ المقلدین ورسالہ تصریح ابحاث فرید کوٹ میں جناب باری تعالیٰ سے دعا والتجا کی تھی ویسا ہی ظہور میں آیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ ۱۲ منہ (۱۳۰۳ ہجری)

بھی مختصر ذکر سن لو کہ وہاں بھی خان صاحب بہادر نے کوئی فرق نہیں چھوڑا ہے جیسا کہ تفسیر القرآن کے ص ۱۹۰ میں لکھا ہے: کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔

پھر ص ۱۹۴ میں ہے: نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذہب اسلام کا نہیں ہے۔

پھر ص ۱۰۹ میں ہے: اختیار کرنا سمت قبلہ کا گو وہ کیسی ہی خدا پرستی پر مبنی ہو خوف و اندیشہ سے خالی نہیں ہوتا

اور ص ۱۷۶ میں لکھا ہے: ہم قدیم سے مومنوں کا اور وحشی سے وحشی لوگوں کا جب حال تحقیق کرتے ہیں تو ان میں بت پرستی کے یعنی ایک شے محسوس کر کے پوجنے کے آثار پائے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خصال حضرت ابراہیم کے زمانہ تک معدوم نہیں ہوا تھا اور اس سبب سے حضرت ابراہیم بھی خدا کی عبادت کے لیے ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور یہ رسم حضرت موسیٰ کے وقت تک قائم رہی تھی - الی قولہ - یہ سمجھنا کہ کعبہ کی سمت خدا کی عبادت کے لیے مخصوص ہے محض غلط ہے ۔ انتہی ۔

پھر ص ۱۷۷ کے اخیر میں حضرت ابراہیم کے بن گھڑے پتھر کی خان صاحب بہادر یہ صفت بیان کرتے ہیں کہ جو اب ہم مسلمانوں میں حجر اسود' یمین الرحمٰن کے نام سے مشہور ہے۔ پھر تہذیب الاخلاق میں ابتداے جمادی الاول لغایت رمضان ۱۲۹۶ھ میں اس مضمون کی ذیل میں جس کی سرخی یہ ہے کہ 'مذہب انسان کا امر طبعی ہے' لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اگرچہ کھول کھول کر بتا دیا کہ یہ جو کچھ ہے اسی بے نشان کا نشان ہے مگر کوئی خاص سمت اور خاص گھر اس بے نشان کے لیے نہیں ہے، تاہم اس رسم کو موقوف نہیں کیا جس کے سبب سے مسلمانوں میں بیت الحرام قائم ہے- الی قولہ- اگر زمانہ مہلت دیتا تو شاید یہ بھی نہ رہتا یعنی نہ کالا پتھر نہ سیاہ لباس کا گھر کیوں کہ جو اصول قرار دیے تھے وہ لاتعین کی طرف راجع تھے، انتہی بلفظہ کذا فی تنقیح البیان ص: ۱۵۶۔

عباراتِ منقولہ سے ہر ذی علم پر ظاہر ہے کہ خان صاحب بہادر نے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو بے اصل بلکہ بت پرستی قرار دیا ہے، علاوہ اس کے انبیا کو بت پرستوں کی وضع خیال کیا ہے، سو یہ ہذیانات خان صاحب بہادر کی پرلے درجہ کی دیدہ دہانی اور بے ایمانی کی علامات ہیں۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واخوانہ وعترہ اجمعین کو جو ماحی الشرک والکفر اور امام الموحدین

ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے سیپارہ کے پہلے اور دوسرے رکوع میں حسب منشا آپ کو تین مرتبہ حکم دیا ہے کہ آپ مع اپنے اتباع کے نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرو، چناں چہ ان آیات کو مع ترجمہ عبارت تفسیر فتح العزیز نقل کرتا ہوں :

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا o (سورۂ بقرہ:۲/۱۴۴)

یعنی پس البتہ ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں جو بہ چند وجوہ آپ کو پسند ہے۔ چوں کہ وہ وجہیں معقول ہیں لہٰذا ہم بھی آپ کے پسندیدہ کو پسند فرماتے ہیں۔

فَوَلِّ وَجْهَکَ .

یعنی پس پھیر اپنے منہ کو کعبہ کی طرف نماز میں۔

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ o (سورۂ بقرہ:۲/۱۴۴)

یعنی بطور مسجد الحرام کے کہ اس قبلہ کے دَور پر بنائی گئی ہے اور ہر طرف سے اس کے دروازوں کا منہ کعبہ کی طرف واقع ہے برخلاف دوسرے مکانات کے کہ ایک طرف سے محاذی کعبہ کے ہوتے ہیں نہ دوسری طرفوں سے۔

مسجد الحرام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہل کمال کو وہاں پر غیر اللہ کی طرف نظر حرام ہے، اور نیز وہ مسجد ایسی عزت رکھتی ہے کہ کوئی روے زمین کی مسجد ویسی حرمت نہیں رکھتی ہے اور گو یہ قبلہ آپ کا پسندیدہ ہے اور آپ کے کمال کے مناسب مگر آپ کے تابعوں کو بھی آپ کے طفیل ہم نے اس قبلہ میں شریک کیا اس لیے آپ اور آپ کی امت کو جمع کر کے ہم خطاب فرماتے ہیں :

وَ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ .

یعنی اور جس جگہ کہ تم ہو خواہ مدینہ میں یا کسی دوسرے شہر میں حتی کہ عین بیت المقدس میں :

فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ o (سورۂ بقرہ:۲/۱۴۴)

یعنی پس پھیرو اپنے منہ کو طرف اس مسجد کے تا کہ اپنے پیغمبر کے طفیل ایک بڑا کمال حاصل کر لو جو اگلے نبیوں کو باوصف کہ وہ تم سے افضل تھے یہ کمال حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر عزیزی کا۔

پھر پانچ آیت کا درمیان میں بیان کر کے لکھتے ہیں: یعنی جس شہر سے آپ سفر کرو پس راستہ میں اس شہر کی سمت قبلہ کا التزام نہ کرو بلکہ نفس قبلہ کو بلا تعین جہت کے ملحوظ رکھو: فَــوَلِّ وَجْهَكَ شَـطْـرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پس پھیر لے اپنے منہ کو مسجد الحرام کی طرف- کہ وہ دوران میں کعبہ کی مانند ہے اور اس مسجد کی طرف منہ کرنا جو کعبہ معظّمہ کے استقبال کو جو قبلہ حقیقی ہے مستلزم ہے۔ ہاں اگر کوئی مسجد الحرام کے متصل ہو اور اس کی نظر میں مسجد الحرام کے جوانب کعبہ کے محاذات جو کعبہ کے محاذی ہو ضروری ہے تا کہ قبلہ حقیقی سے منحرف نہ ہو- الی قولہ- تیرے پروردگار کا حکم یہ ہے کہ کعبہ کی طرف استقبال لازم ہے، خواہ سفر ہو یا حضر۔ یا ایک شہر سے دوسرے شہر کو ہجرت ہو، تب بھی استقبال قبلہ کو ہاتھ سے نہ دو جیسا کہ پیشتر اس سے ہجرت کے وقت کا استقبال قبلہ موقوف ہوا تھا اب ایسا نہ ہو :

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

یعنی اور جس جگہ بھی تو نکلے گو مکہ سے پشت بہ کعبہ روانہ ہو :

فَوَلِّ وَجْهَكَ یعنی پس پھیرا اپنے منہ نماز کے وقت سمت مقصود اپنے کی طرف۔

شَـطْـرَ الْـمَـسْـجِـد الْحَرَامِ یعنی مسجد حرام کی طرف جو کعبہ معظّمہ کے دور پر ہے، اور یہ حکم خاص آپ کی ذات سے ہے نہیں بلکہ اور آپ کے اُمتیوں کے لیے بھی ہے، اور کبھی منسوخ نہ ہوگا:

وَحَيْـثُ مَـا كُنْتُمْ یعنی اور جس جگہ تم سب ہو خواہ پیغمبر، خواہ امت، خواہ حضر میں، خواہ سفر میں، خواہ راہ میں، خواہ صحرا میں یا منزل و سرائے میں، خواہ مسجد، خواہ گھر، خواہ بازار میں:

فَـوَلُّـوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ یعنی پس اپنے مونہوں کو پھیرو مسجد الحرام کی طرف اپنے پیغمبر کی متابعت میں اور کبھی بھی اس کی مخالفت نہ کرنا۔ یہ ترجمہ ہے عبارت فتح العزیز کا۔

پس ان آیتوں میں تامل کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ کعبہ کی سمت خدا جل وعلا کی عبادت نماز کے لیے مخصوص ہے، اور کعبہ کو نماز میں قبلہ بنانا شریعت حقہ کا اصلی حکم ہے، اور اس میں کوئی شرک کا خوف نہیں بلکہ عین توحید و امتثال اَمر ہے۔ فرشتوں نے بہ حکم الٰہی حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو قبلہ بنایا تھا پھر ویسا ہی نبیوں اور مسلمانوں نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر لیا، جب کہ فرشتوں سے ابلیس جنی نے انکار کیا اور ابدی کافر ہوا ویسا ہی جو کعبہ کے قبلہ ہونے سے منکر ہو وہ بھی شیطان کا سچا

نائب اور حقیقی بھائی ہے۔

اگر چہ ہم مسلمانوں کو صرف اِمتثالِ امر سے کام ہے تاہم اس تعین قبلہ میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طرفوں سے منہ پھیر کر ایک ہی طرف فرمودہ خدا کا استقبال کرنا گویا خشوع کا حاصل ہونا ہے جو عبادت کی روح ہے جب تک عابد چپ و راست کی التفات کو ترک کر کے ایک ہی جانب پر متوجہ نہ ہو تب تک جمعیت ظاہری کا حصول محال ہے اور پھر جمعیت ظاہری جمعیت باطنی پر دال ہے اسی وجہ سے قبلہ کا استقبال نماز میں فرض ٹھہرایا گیا ہے کمافی تفسیر فتح العزیز وغیرہ۔

اب اس امر کو بے اصل اور مظنہ شرک جاننا گویا کہ سب نبیوں کی شریعت سے منہ پھیر کر صرف اپنی نبوت کا ثابت کرنا ہے۔ **کما لا یخفی علی المتفطین** ۔ اور دراصل یہ دعوی مسیلمہ کذاب اور اس کے اتباع کا ہے جیسا کہ دبستان المذاہب کے ص ۲۹۸ سے تنقیح البیان کے ص ۱۷۴ میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو کہتے ہیں کہ مسیلمہ کو حکم ہوا تھا کہ نماز میں محراب کی طرف منہ کرنا اور معین جہت کی جانب متوجہ ہونا کفر ہے اور علامت شرک کی۔ جب آدمی اور دوسرے جان داروں کو قبلہ بنانا نہ چاہیے تو ایک گھر کو قبلہ بنانا کب روا ہو گا پس نماز کے وقت جس طرف چاہیں منہ کریں اس نیت سے کہ بے جہت کی طرف نماز کرتا ہوں۔ یہ ترجمہ ہے عبارت دبستان المذاہب کا۔

پس خان صاحب بہادر بے شک شرع اسلام کے برخلاف ملحدانہ دین قائم کرنا چاہتے ہیں مگر درِپردہ کیوں کہ ابھی تک مسلمان ہونے کا دعوی کیے جاتے ہیں تا کہ جہال دام سے نہ نکلیں اور آہستہ آہستہ مطلب براری ہو جائے گی۔

اب باقی رہا یہ جو خان صاحب بہادر کا خام خیال ہے کہ اگر زمانہ فرصت دیتا تو شاید حجر اسود اور بیت اللہ نہ رہتا یعنی مسمار ہوتا۔ معاذ اللہ من ذالک۔ بیت اللہ تو بحکم خدا نبیوں کی تعمیر ہے:

وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ۝ (سورۂ بقرہ:۲/۱۲۷)

یعنی اور یاد کر جب ابراہیم اپنے ہاتھ سے اس گھر کی دیواریں بلند کرتا تھا اور کسی دوسرے گلکار اور معمار سے نہیں بنواتا تھا تا کہ کوئی غیر اس ثواب میں شریک نہ ہو اور اسماعیل بھی جو بمنزلہ اسی کے تھا اس کام میں شریک تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام راج کا کام کرتے تھے اور اسمٰعیل مزدور بن کر پتھر اور مٹی دیتے تھے۔

اور اکثر مؤرخین نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ بنیاد خانہ کعبہ کی ابراہیم سے پہلے موجود تھی اور آپ نے اس بنیاد پر دیواریں بلند کر کے گھر کے طور پر بنایا۔ چناں چہ بیہقی نے شعب الایمان اور ازرقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام نے بحکم خداوند کعبہ معظّمہ کی بنیاد کی اور اس پر بیت المعمور رکھا گیا اس کے طواف پر حضرت آدم اور ان کی اولاد مامور ہوئی ایام طوفان میں پھر بیت المعمور اٹھایا گیا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کعبہ کی بنیاد پر مامور ہوئے جیسا کہ یہ قصہ موافق حدیثوں کے تفسیر عزیزی میں بہت بسط کے ساتھ منقول ہے اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا o (سورۂ بقرہ:۱۲۵/۲)

یعنی اور یاد کرو جب ہم نے کعبہ کو واسطے حصول فوائد دین و دنیا کے لوگوں کا مرجع بنایا اور جائے امن۔

پس اللہ تعالیٰ جس گھر کو ہمیشہ کے واسطے خلق اللہ کے بار بار آنے اور دینی دنیاوی فائدے اٹھانے کے لیے بنائے اور اپنے خلیفوں سے اس کی تعمیر کرائے جیسا کہ تفصیل اس اجمال کی تفسیر عزیزی میں موجود ہے پھر وہ کون مسلمان ہے جو یہ بتائے کہ اگر حضرت کو زمانہ فرصت دیتا تو آپ بیت اللہ کو مسمار کرتے ۔نعوذ باللہ من ہذا الجنون۔

حضرت ﷺ نے تو بیت اللہ اور حجر اسود کے اس قدر فضائل اور مناقب بیان فرمائے جس کے بیان کے لیے دفتر مرتب کرنے پڑتے ہیں پس ایسے بابرکت مکان سے جس کو اللہ تعالیٰ اپنا گھر عزت اور حرمت کی رو سے فرما کر نبیوں سے پاک کرائے ، یہ کب متصور ہوتا ہے کہ قطع نظر کسی نبی کے اس کو کوئی عامی مسلمان بھی گرا دے ، صرف خان صاحب بہادر کے ہذیانات اور ہفوات کسی نہ کسی تقریب سے سرزد ہو رہے ہیں کہ اہل اسلام کو گمراہ کریں : خوے بدرا بہانہ در کار ست

اب غور کرو کہ استقبالِ قبلہ جو نماز میں فرض ہے جب اس کو خان صاحب بہادر نے اٹھایا بلکہ موجب شرک بتایا تو گویا نماز رکن اسلام کو گرایا۔

اب آگے حال سنو روزہ رمضان کا ، خان صاحب بہادر نے تفسیر القرآن کے ص ۲۱۸ سے ص ۲۳۲ تک روزہ کی فرضیت کو باطل کیا ہے اور تمام مفسرین نے جو روزوں کی فرضیت قرآن سے

ثابت کی تو اس کی نسبت ص ۳۲۲ میں لکھتے ہیں: تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو اور بے ہودہ ہیں جیسے کہ ان کی اور باتیں متعلق قصص و حکایات کے لغو اور بے بنیاد ہوتی ہیں جن کی نہ کوئی سند ہوتی ہے اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے۔

پھر ص ۲۴۴، ۲۴۵ میں ہے: ایک روزہ جو ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا تھا اور جو کفارہ کا روزہ کہلاتا تھا بلا شبہ فرض تھا ۔ الی قولہ ۔ علاوہ اس کے جس قدر روزوں کا بیان ہے وہ سب روزے کیا یہودی مذہب میں اور کیا عیسائی مذہب میں فرض روزے معلوم نہیں ہوتے بلکہ بطور نفل روح کے تزکیہ اور عبادت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے معلوم ہوتے ہیں۔

پھر ص ۲۲۹ میں ہے: بعض ملکوں میں دن کبھی اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ انسان کی طاقت سے روزہ رکھنا خارج ہوتا ہے ۔ الی قولہ ۔ پس خدا تعالیٰ نے ان تمام حالات کے لحاظ سے جو اس کے علم میں تھے نہایت عمدہ ترتیب سے جو فطرت انسان کے بالکل مطابق ہے یہ حکم دیا کہ **وَ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ** .

Nafselislam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

پھر ص ۲۳۰ میں روزہ کو بت پرستوں کی ریاضاتِ شاقہ سے میل جول دے کر ص ۲۳۱ میں لکھا ہے: جب انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ دیوتا یا خدا انسان کی جسمانی تکلیف سے راضی ہوتا ہے تو اس وقت روزہ نے مذہبی امر ہونے کا درجہ پایا ہوگا ۔ الی قولہ ۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس خیال کو کہ خدا انسان کی ریاضت بدنی یعنی جسم اور روح کو تکلیف میں ڈالنے سے راضی ہوتا ہے متعدد طرح سے باطل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے، اس لیے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آں حضرت ﷺ نے اس خیال پر رمضان کے روزوں کا حکم دیا ۔ الی قولہ ۔ عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں، آں حضرت ﷺ بھی اس رسم کو جاری رکھنے کی ایک عمدہ اور آسان اور غیر مخالف فطرت انسانی کے طریقہ میں اجازت دی۔ انتہی

اب دیکھو کہ ان بیانات میں سے صاف روزۂ رمضان کی فرضیت کو اڑایا بلکہ رہبانیت میں داخل کر کے ریاضاتِ شاقہ نامشروعہ سے ملایا اور اہل کتاب کی تالیف کے طور پر روزہ کا حکم بنا کر پھر ہر ایک مسکین کے فدیہ دینے پر روزہ کا ادا ہونا باور کر لیا اور معاذ اللہ کس قدر قرآن و صحیح حدیثوں

کا نافرمان بنتا ہے۔ دوسرے سیپارہ میں باری تعالیٰ کا صریح حکم ہے :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ، اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ... ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۳،۱۸۴)

یعنی اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے جیسا کہ فرض کیے گئے تھے تم سے پہلوں پر تاکہ تم متقی بن جاؤ ایک مہینہ کامل۔ یعنی ایام جس پر معدود کا اطلاق صحیح ہے۔

پس تمام مفسرین اس آیت سے ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت ثابت کرتے ہیں اور خان صاحب بہادر ان سب کے اقوال کو لغو اور بیہودہ کہہ کر اپنی لغویت بلکہ قطعی فرض کے انکار سے اپنی کفریت متحقق کر رہے ہیں- پناہ بخدا- اللہ تعالیٰ کسی دشمن سے بھی ایسا نہ کرائے۔ اور ان کو بھی راہ راست پر لائے۔

طاقت والوں کو اِبتدا میں فدیہ دینے کا حکم تھا پھر آیت **فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ** سے وہ حکم منسوخ ہوا، خان صاحب بہادر اگر ناسخ و منسوخ کا انکار کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ قرآن و حدیث اور سارے اہل اسلام جب ناسخ منسوخ کو ثابت کر رہے ہیں جو کسی ایک خلل انداز کا کیا اعتبار ہے اور صحیح حدیثوں سے جو رمضان کے روزوں کی تاکید اور اجر عظیم اور روزوں کے نہ ادا کرنے میں جو وعید شدید مذکور ہیں اہل علم دین داروں پر سب ظاہر ہے، ضروریاتِ دین کے اثبات کی کیا حاجت ہے، اعلیٰ ادنیٰ مومن اس سے واقف ہیں خان صاحب بہادر جو حدیثوں کو نامعتبر کہہ رہے ہیں تو ان کی دریدہ دہانی اور بے ایمانی کی علامت ہے حدیثوں سے نصف بلکہ کسری زائد احکام دینیہ کا ثبوت ہے کما نصوا علیہ وھو الظاہر من الشریعۃ۔

اب سنو حال حج کا تفسیر القرآن کے ص ۲۴۹ میں ہے: حضرت ابراہیم نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی کہ لوگوں کے آنے اور زیارت کرنے اور اس مقام پر عبادت معبود کی بجالانے کے لیے ایام خاص مقرر کیے جائیں۔

پھر ص ۲۵۰ میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے بھی اس رسم کو انہیں اغراض کے لیے جاری رکھا کہ حضرت ابراہیم نے مقرر کی تھیں- الی قولہ- پس یہ سمجھنا کہ بانی اسلام نے کعبہ شریف کو مثل پارسی پتھر کے قرار دیا کہ جس نے اس کو چھوا وہ سونا ہو گیا یہ ایک خیال غلط ہے۔

پھر اسی صفحہ میں ہے کہ موسم حج کا صرف تجارت کی نظر سے مقرر کیا گیا تھا کہ قوم اس سے فائدہ اٹھائے۔ پھر صفحہ ۲۵۱ میں ہے کہ حقیقت حج کی ہماری سمجھ میں یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کیا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے۔

پھر ص ۲۵۲ میں لکھا ہے: اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے، اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہ ہوئے پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیوں کر حاجی جانیں، الخ۔

اب دیکھو کہ ان عبارتوں سے حج کی فرضیت سے قطع نظر حج کے موجب ثواب ہونے سے بھی انکار ہے بلکہ اس کو سراسر عیب سمجھا ہے اور اس کے ثواب جاننے والوں کی خطاؤں اور غلطیوں کا اظہار ہے حالاں کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :

> وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ o (سورۂ آل عمران:۳/۹۷)

> یعنی اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر حج بیت اللہ کا جس کو زادراہ کی طاقت ہو اور جو ناشکرا ہو پس خدا سب سے بے حاجت ہے۔

معالم التنزیل میں صحیح بخاری اور دوسرے صحاح سے اس آیت کے نیچے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی پانچ بنیاد ہیں :

۱: توحید ورسالت کی شہادت

۲: اور نماز کا قائم کرنا

۳: اور زکوۃ کا دینا

۴: اور حج

۵: اور رمضان کے روزے۔

پھر سعید بن مسیّب نے لکھا کہ یہود نے حج مکہ کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر فرمایا۔ پھر حدیث ابی امامہ سے نقل کیا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جن کو فقر یا مرض یا سلطان ظالم کی رکاوٹ نہ

ہو اور حج نہ کرے پس وہ مرے خواہ یہودی بن کر یا نصرانی بن کر۔

یہ ترجمہ ہے عبارت معالم التنزیل کا۔ اور یہ حدیث اخیر کی سنن دارمی سے مشکوٰۃ میں بھی مروی ہے اور یہ بھی سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے :

> وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (سورۂ بقرہ:۱۲۵/۲)
>
> یعنی ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل کی طرف ایسی وحی جو تاکید اور مبالغہ میں مشابہ عہد کے ہو اس پر کہ پاک رکھو میرے گھر کو ناپاکیوں سے طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور نمازیوں کے لیے جو رکوع و سجود کرتے ہیں ۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز۔

اب دیکھو کہ کیسا بہ صراحت قرآن سے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدور والے مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے، منکر اس کا کافر ہے، اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علی نبینا وعلیہما السلام کو پھر فرمان دیا ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کرو، پس جس نے اس کو نہ مانا اور حج کو صرف تجارت کے لیے جانا تو بے شک اس نے صریح ضروریاتِ دین اور احکام قرآنی سے انکار کیا ۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

پھر جب حق تعالیٰ فرمائے کہ ہم نے بیت اللہ کو ہمیشہ کے واسطے لوگوں کے اجتماع کرنے کی جگہ اور جاے امن بتایا ہے۔ اور پھر صحیحین اور دوسرے صحاح کی بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے حکم سے ثابت و متحقق ہے کہ با آداب حج کرنے والے کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور نیز کہ صرف بیت اللہ کی طرف نظر کرنی عبادت ہے تو اب بیت اللہ کے پارس ہونے میں مسلمانوں کو کیا شک ہے، اور بے شک بیت اللہ کی اس قدر تعظیم ہے کہ اکثر حیوانات بھی اس کے ادب اور تعظیم کی نہایت رعایت رکھتے ہیں۔

ازرقی مطلق بن حبیب سے روایت کرتا ہے کہ ہم ایک دن کعبہ معظّمہ کے سایہ میں بیٹھے تھے جب آفتاب بہت اونچا ہوا اور سایہ نہ رہا تو مجلس برخواست ہوئی۔ اچانک مسجد الحرام کے ایک دروازہ کی طرف سے ایک سانپ دکھائی دیا سب اس کی طرف دیکھنے لگے وہ سانپ سیدھا خانۂ

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

کعبہ کی طرف آیا اور سات مرتبہ طواف کر کے مقام ابراہیم کے پیچھے جا کر نفلیں پڑھنے لگا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے کبرائے مجلس اس کے پاس گئے اور کہا اے عزیز! تیرا طواف تو ہو گیا لیکن اس شہر میں ناواقف لوگ اور غلام خدمتگار بہت ہیں بہتر ہے کہ تو لوگوں کی نظروں سے چھپ جائے مبادا کہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے۔ اس کلام کے سنتے ہی اس سانپ نے اپنے سر کو دم پر لگا کر آسمان کی طرف اڑا اور نظروں سے غائب ہوا۔

ابوالطفیل نے روایت کی کہ نوجوان نیکوکار جن ذی طویٰ میں رہا کرتا تھا اور اکثر سانپ کی شکل بن کر کعبہ کے طواف کے لیے آتا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتا اس کی ماں اسے منع کرتی کہ مبادا تجھے آدمی سانپ جان کر کہیں مار نہ دیں وہ باز نہ آتا تھا کہ بنوسہم کی ایک جماعت نے اس کو قتل کیا جس پر مکہ معظّمہ میں بڑا طوفان آیا ان بنوسہم کے آدمیوں کو اپنے گھروں میں مقتول پایا گیا۔ اور بھی تواریخ میں اونٹ طواف کرنے والے کی حکایت مشہور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمادی الثانی ۸۱۵ ہجری میں ایک اونٹ جمال فاروقی کے اونٹوں سے اپنے مالک سے بھاگ کر مکہ معظّمہ کی مسجد الحرام میں داخل ہوا لوگ ہر چند چاہتے تھے کہ اسے پکڑیں وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوا اور بیت اللہ کے گرد سات مرتبہ طوف بجالایا۔ تین اسبوع تمام کر کے حجر اسود کی طرف آیا اور اس کو چوما پھر میزاب الرحمۃ کے مقابلہ میں کھڑا ہو کر رونے لگا۔ چناں چہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اسی حالت میں گر پڑا اور جان آفرین کو جان دے دی۔ لوگوں نے -جو اس کا تماشا کر رہے تھے- اس کو اٹھایا اور صفا و مروہ کے درمیان دفنایا- کذا فی تفسیر فتح العزیز-

اور بہت سے نہایت معتبر حاجیوں سے سنا گیا ہے کہ کبوتر مسجد حرام میں پنجال نہیں کرتے، کبھی کسی نے وہاں پر پنجال نہیں دیکھی۔

اب غور کرو کہ ایسے متبرک مکان کی جس کے ادب اور تعظیم میں حیوانات بھی مشغول ہیں بے ادبی کرنے اور اس کے ادب کرنے والے ایمانداروں کو خام خیال اور غلطی پر جاننا جیسا کہ خان صاحب بہادر کا شیوہ ہو رہا ہے سخت بے دینی ہے۔ فرض قطعی کا انکار کرنا جیسا کہ اتفاقی کفر ہے ویسا ہی حرام قطعی کا حلال بنانا بالاجماع کفر ہے چناں چہ سب تفسیروں اور احادیث کی شرحوں اور

احادیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے تو اب حرام کے حلال جاننے کا بھی نمونہ دیکھو کہ خان صاحب بہادر تفسیر القرآن کے ص ۳۰۷ میں لکھتے ہیں کہ ذی مقدور لوگوں سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھ کو نہیں معلوم ہوتی، اسی طرح تجارت کے کاروبار اور بنکوں میں جو سود کہ دیا جائے قرآن مجید کی رو سے اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ انتہی

سبحان اللہ وبحمدہ! خان صاحب بہادر کو جو مجنونانہ خیال رکھتے اور ملحدانہ چال چلتے ہیں اگر کوئی وجہ معلوم نہ ہو تو کیا اس سے فی الواقع اس کا حرام نہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔ حاشا وکلا یہ صرف خان صاحب بہادر کی ہفوات اور ہذیانات واسطے ترغیب بیاج خوروں کے اور چندہ کا روپیہ جمع کرنے کی غرض سے ہیں کہ سود خواروں وغیرہ حرام کاروں کو نماز روزہ حج سے منحرف کر کے سود کی اجازت دے کر ان سے نذر و نیاز لیں۔ چناں چہ ویسا ہی ہو رہا ہے کہ دنیا دار ناعاقبت اندیش لوگ ان کے دام میں آ کر اور ہوا پرستوں کی خوشی منا کر ان کے مدرسۃ العلوم کے لیے جس کی خرابیاں شرعاً اظہر من الشمس ہیں ہزار ہا روپیہ کی مد میں دیتے ہیں اور ان کو پیشوائے وقت مانتے ہیں۔ (۱)

ایہا المومنون! دنیا سرائے چندروزہ ہے، عیش جاودانی کی فکر پر ضرور ہے۔ سود وغیرہ کے پیسہ اکٹھے کرنے سے سوائے دوجہاں کے نقصان کے کچھ حاصل نہیں بلکہ سودخوروں کے خاندان غارت ہوتے دیکھنے میں آئے ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں جب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقَاتِ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۷۶)

دولت مندوں سے سود لینا اور تجارت کے کاروبار میں بھی سود لینا دینا بحکم قرآن مجید حرام قطعی ہے :

وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا o (سورۂ بقرہ:۲/۲۷۵)

---

(۱) حاشیہ: اس مدرسہ کے دروازہ پر دو بڑی تصویریں لگی ہیں جنکا بنانا اور دیکھنا اور مکان میں رکھنا بروئے قرآن و حدیث حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور اکثر مدد اہالیانِ مدرسہ کو سود وغیرہ کے روپے سے ملتی ہے جس سے ان کا گوشت و پوست بڑھتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: **کل لحم نبت من الحرام فالنار أولیٰ بہ** -کذافی المشکوٰۃ۔ اور بانی مدرسہ ایسا سخت ملحد ہے جس کو اس کے ہم مشرب بھی دجال جانتے ہیں اور تعلیم یافتہ اطفال اس مدرسہ کے لباس میں عیسائیوں سے پوری مشابہت رکھتے ہیں اور یہ دل سے مانتے ہیں کہ خان صاحب بہادر قرآن کی غلطیاں نکال رہے ہیں تو پھر اس کے مدرسۃ الجہالات ہونے میں کیا شک ہے من عفی عنہ۔

یعنی اور خدا نے حلال کیا ہے خرید و فروخت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

پس جس کا نام سود ہے وہ حرام لاکلام ہے۔ قرآن اور حدیث پر ایمان لانے والے کا اسی پر یقین ہے، اور اسی کا نام اسلام ہے۔ اور یہ جو خان صاحب بہادر آیت: **وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** کے نیچے تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ رسول خدا ﷺ نے انتقال فرمایا اور ربا کی تفسیر ہم سے بیان نہیں فرمائی یعنی ہم کو اس بات کے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا کہ آیا جس کو خدا نے حرام فرمایا وہ کیا ہے اور کون سا ربا ہے جو حرام ہے اور جس پر ایسے سخت وعید نازل ہوئی ہیں۔ پس جب کہ اتنے بڑے خلیفہ رسول اللہ ﷺ کو ربا کی حقیقت پر تشفی نہ تھی تو ضرور تھا کہ صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین اور علماے امت میں اختلاف رائے ہو اور ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق اس کی نسبت مسائل قرار دے، چناں چہ ایسا ہی ہوا ہے اور ہوتا ہے اور ہوگا اور اس چودھویں صدی میں جس کا یہ دسواں برس ہے میں بقدر اپنے فہم کے علماے امت سے اس مسئلہ میں مختلف رائے رکھتا ہوں، الخ۔

جیسا کہ یہ عبارت تنقیح البیان کے ص ۲۲۱ میں بھی درج ہے اس تحریر میں خان صاحب بہادر سخت خیانت اور خلاف امانت کر کے اپنے اصول کو بھی بھول گئے ہیں جس کا اختصار کے طور پر یوں اظہار ہے کہ ابتدائے تفسیر القرآن میں سورہ فاتحہ کے ناموں کے بیان میں خان صاحب بہادر احادیث صحیحین وغیرہما کو غیر ثابت لکھتے ہیں تو اب یہاں حدیث ابن ماجہ دارمی ان کے نزدیک کیوں کر ثابت اور صحیح ٹھہر گئی۔ مسائل شرعیہ کے دلائل میں جب اونچے طبقے کی احادیث صحیح پیش ہوں تو صرف اپنی زبان سے کہہ دینا کہ یہ غیر ثابت ہیں جیسا کہ پادری کہہ دیتے ہیں اور پھر اپنے زعمی مطالب کے اثبات میں نچلے طبقے کی حدیث بیان کر کے خوش ہو بیٹھنا سوا اس کے کہ۔ دیوانہ بکار خود ہوشیار۔ کیا سمجھا جائے باوجود یہ کہ اس حدیث کی روایت میں خیانت بھی کی ہے۔

کیا معنی کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے **ان آخر ما نزلت آیہ الربوا و ان رسول اللہ ﷺ قبض و لم یفسرھا لنا** کا ترجمہ کر دیا ہے اور بعد اس کے وہ جملہ جو اس حدیث کا نتیجہ تھا وہ ذکر نہیں کیا یعنی **فدعو الربوا و الریبۃ**۔ علماے حدیث نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ربا کی آیت اخیر اتری ہے اور حضرت ﷺ قبض کیے گئے اور اس کی تفسیر اور بیان نہ فرما گئے پس تم ربا کو چھوڑ

دواوراس چیز کو بھی چھوڑ دو کہ جس میں ربا کا شبہ ہو۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ آیت ربا کی محکم اور غیر منسوخ ہے۔ ہر چند حضرت ﷺ نے ربا کی ایسی تفسیر نہیں فرمائی جو سب جزئیات پر شامل ہوتی بلکہ بعض چیزوں کا بیان فرمایا اور بعض چیزوں کو قیاس اور اجتہاد پر چھوڑا۔ تو اب لازم ہے کہ صریح بیاج کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں بیاج کا شبہ پڑے اس کو بھی چھوڑ دو احتیاط اور پرہیزگاری کی رو سے۔ ظاہر حدیث سے تو یہی معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اور شارح طیبی نے کہا ہے کہ مقصود اس کا یہ ہے کہ ربا کی آیت غیر منسوخ اور غیر مشتبہ ہے، اسی واسطے حضرت ﷺ نے اس کا وافر بیان نہیں فرمایا پس تم اس کو ویسا ہی چھوڑ دو اور بے شک شبہ کو دخل نہ دو اور ربا کی حلت کے لیے حیلے نہ اٹھاؤ جیسا کہ مجمع البحار اور ترجمہ محدث دہلوی وغیرہما میں لکھا ہے۔

اب دیکھو کہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ سود سے بہ کلی بچو اور جس چیز میں بیاج کا شبہ بھی پڑے تو اس کو چھوڑ دو تو اس اخیر نتیجۂ حدیث کو خان صاحب بہادر اُڑا کر ابتدائے حدیث سے برخلاف منشا حدیث کے اپنا زعمی مطلب ثابت کر رہے ہیں کہ بیاج کے بارے میں بحکم اس حدیث کے ہر مجتہد کو اختلاف کی گنجائش ہے، اور میں بھی اختلاف رائے رکھتا ہوں۔ مطلب کے برخلاف دلیل بیان کر کے پھر اس میں خیانت ورزی کرنی خان صاحب کی بہادری اور طور ہے۔

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور یہ نہیں جانتے کہ بحکم قرآن دین اسلام کامل ہو چکا ہے کوئی نقصان باقی نہیں رہا کہ جس میں کسی کے دخل دینے کی حاجت ہوتی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وارد ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی راہ راست کی ہدایت فرمائے اور انجانوں کو ان کے پنجہ سے بچائے۔

فقیر نے ان کی تفسیر القرآن سے بچشم خود دیکھ کر یہ عبارتیں نقل کی ہیں اگر کسی کو شک ہو صفحوں کے پتہ سے نقل مطابق اصل سے کر لے۔ پھر ص ۳۰۹ میں جو پرامیسری نوٹوں (Promissory Notes) کا سود لینا جائز لکھا ہے اور وہ جو بادشاہ دہلی کو نذرانہ دے کر تنخواہ جاری کرانے کا حال لکھا ہے جب تک اس کا ثبوت نہ دیں تب تک اس کے جواب کی حاجت نہیں ہے۔ اب حسب ضرورت بیان ہو چکا کہ خان صاحب بہادر نے بے شک عقائد اصول اہل

اسلام اور ضروریاتِ دین میں سخت فساد اور الحاد کیا، کفر کو اسلام جان لیا اور اسلام کو کفر بنا دیا ہے۔

اس جگہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیان کیا جائے کہ اس امر کا قرآن وحدیث کے انکار کا کیا حکم ہے اگرچہ خان صاحب بہادر کے پہلے خام خیال کے رو کے اخیر میں سورۂ نساء سے مذکور ہو چکا ہے کہ خدا کے کلام کا انکار صریح کفر اور ظاہر گمراہی ہے، مگر بنا بر مزید تصریح شرح فقہ اکبر سے کسی قدر عبارت عربی کا ترجمہ کیا جاتا ہے وھو ہذا:

خلاصہ میں لکھا ہے کہ کافر ہے جو ساز اور سُر تار سے قرآن مجید پڑھے۔ اور ایسا ہی کافر ہے جو کسی کتاب پر آسمانی کتابوں سے ایمان نہ لائے یا کسی جزا وسزا پر جن کا ذکر باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے انکار کرے۔ یا کسی قرآنی جز کو جھٹلائے اور یہ بات۔ یعنی کافر ہونا ایسے شخص کا۔ ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی مخالف ہے۔ یہ ترجمہ ہے، شرح فقہ اکبر کی اصل عبارت بھی حاشیہ پر مرقوم ہوتی ہے۔(۱)

اب فقیر رجوع کرتا ہے مضمون حدیث تشبیہ کی طرف جو خان صاحب بہادر کے جواب کی انیسویں غلطی شروع کر کے اس کی دوسری وجہ کے بیان میں تھا سو جاننا چاہیے کہ اس میں خان صاحب بہادر نے کفار کے تہواروں میں خوشی سے شامل ہونے کو جائز کہا ہے، سو یہ بھی ان کی خلل اندازی ہے دین اسلام میں کیوں کہ شریعت میں اس شمول کو اعلانِ کفر قرار دیا گیا ہے، قرآن سے تو اس کا ثبوت اوپر لکھ چکا ہوں اب اتنا ہی کافی ہے کہ امام مشہور احمد بن حفص ابو حفص کبیر بخاری سے (جو امام محمد بن حسن امام اعظم رضی اللہ عنہم کے شاگرد کے شاگرد ہیں اور مجتہدین مقبولین سے ہیں) مولانا قاری شرح اکبر میں لائے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کسی نے پچاس سال عبادت خدا کی کی پھر پارسیوں کے نوروز میں کسی مشرک کو نوروز کی تعظیم کر کے ہدیہ بھیجا تو بے شک حق تعالیٰ سے کافر ومنکر ہوا اور اس کی پچاس سالہ عبادت ضائع ہوگئی۔ اور جو نوروز کے دن کافروں کی عیدگاہ پر گیا تو کافر ہوا کیونکہ اس میں کفر کا اعلان ہے گویا اس نے کافروں کی اعانت کی اور اس قیاس پر اس دن

---

(۱) حاشیہ: و فی الخلاصة من قرء علی ضرب الدف القصیب یکفر و کذا من لم یؤمن کتاب من کتب اللّٰہ اوجحد وعدا او وعیدا مما ذکر اللّٰہ تعالی فی القرآن او کذب شیئا منه ای من اخباره هذا ظاهر لا ریبة فی امره ولا مخالف لحکمه . شرح فقه اکبر من عن

میں کافروں کی اعانت کرنی نوروز کے کاموں میں یہ بھی موجب کفر کا ہے۔ یہ ترجمہ ہے، عبارت عربی شرح فقہ اکبر کا جو اصلی عبارت (۱) بھی حاشیہ پر مسطور ہوتی ہے۔

اور بحر الرائق کی سند سے فتاوی عالم گیریہ میں بھی یوں ہی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کافر ہوتا ہے مجوس کے نوروز میں جانے والا (۲) اور ان کے نوروز میں موافقت کرنے والا اور اس میں مشرکوں کو ہدیہ دینے والا اگرچہ ایک بیضہ ہی ہو اور نوروز کی تعظیم کے رو سے کچھ خریدنے والا اوپر اپنے کھانے کے لیے کچھ خریدے تو کفر نہیں ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت فتاوی عالم گیریہ کا اور یہی مضمون صدہا دینی کتابوں میں موجود ہے۔

اب خان صاحب بہادر سے التماس ہے کہ قرآن وحدیث وفقہ کے برخلاف نہ جاؤ اور باوجود اعلانیہ ارتکابِ افعالِ کفر کے اپنے آپ کو مسلمان نہ بتاؤ اور لوگوں کو بھی دلیری دے کر راہِ راست سے نہ بھولاؤ، خدا کے لیے اس حالت آفتاب برسر بام میں تو کچھ شرماؤ اور دل سے پچھتاؤ کہ یہ تیز لگامی اور متعصّبانہ سینہ زوری اچھی نہیں ہے اور یہ خیال جو تم لوگوں کے دل میں جم رہا ہے کہ فقہ کے فتاووں کا کچھ اعتبار نہیں یوں ہی کفر کا فتوی لگا دیتے ہیں بعض روایات کے ضعیف ہونے سے ہر جگہ تو ضعف اور بے اعتباری نہیں آجاتی خصوصاً ایسی روایات جو مطابق قرآن وحدیث کے ہیں اس لیے ان پر علمائے محققین کو اعتبار ہے ان کو بے اعتبار کہہ کہا کر اپنی اور اپنی ذریات کی خوشی منا کر پیشوائے وقت کہلائیے یا ہزار ہا روپے کمائیے، آخر عاقبت کی فکر بھی ضرور ہے، ان چندروزہ ناز ونعیم پر کیا غرور ہے۔

---

(۱) حکی من ابی حفص الکبیر البخاری لو ان رجلا عبدالله حسنین ..ماثم جار یوم النیروز فاھدی الی بعض المشر کین یرید تعظیم ذلک الیکوم فقد کفر بالله العظیم و حبط علمه خمسین عاما و من خرج علی السدۃ ای مجتمع اھل الکفر فی یوم النیروز کفر لان فیه اعلان الکفرو کانه اعانھم علیه و علی قیاس مسئلة السدۃ ای النیروز المجوسی الموافقة معھم فیما یفعلون فی ذلک الیوم موجب للکفر. ۱۲ شرح فقه اکبر من عن

(۲) سخت افسوس ہے ان لوگوں کے حال پر جو قدیم سے مسلمان چلے آئے اور اب نیچری بن کر ایام دسہرہ وغیرہ میں اشتہار چھپوا کر مسلمانوں میں نہایت ترغیب دیتے ہیں میلہ میں شامل ہونے کے لیے اور خدا جل وعلا سے نہیں ڈرتے دنیا کے مفاد پر ایمان فروشی کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔۱۲

من آنچہ شرطِ بلاغت باتو میگویم برد
تو خواہ پندازاں درپذیر وخواہ ملال

خان صاحب بہادر آپ کے سامنے فقہ کی کتابیں کس شمار میں ہیں۔ آپ تو آیاتِ قرآنی کو جھٹلا رہے ہو، حدیثوں کو مردود بتا رہے ہو جیسا کہ حدیث من تشبہ کو بلاتحاشا مردود لکھ دیا ہے۔ آپ ذرا کان کھول کر سنیئے کہ آپ کا حال کیا ہے۔ مولانا قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ خلاصہ میں ہے جو حدیث کو مردود کہے تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہے اور متاخرین کہتے ہیں کہ حدیث متواتر کا رد کفر ہے۔ میں (یعنی مولانا قاری) کہتا ہوں یہی صحیح ہے مگر جب کوئی کسی حدیث احاد کو بھی سبکی اور توہین اور انکار کی رو سے رد کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔

اور فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ جس کے پاس یہ حدیث بیان ہوئی کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور منبر یا قبر اور منبر کے درمیان روضہ ہے روضہ بہشت سے۔ تو اس نے کہا منبر اور قبر تو میں دیکھتا ہوں اور تو کچھ نہیں دکھائی دیتا تو کافر ہو جائے گا، کیوں کہ یہ استہزا اور انکار ہے، اور اُمور غیبیہ پر جو حدیثوں میں آئی ہیں ایمان نہیں۔ یہ ترجمہ ہے عبارت شرح فقہ اکبر کا اور اصل عبارت بھی حاشیہ پر منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ راست پر لائے اور دین اسلام میں فساد اور الحاد سے بچائے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خان صاحب بہادر نے یہ بھی ایک ابلہ فریبی کی جو لکھا ہے: اگر درحقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی ایک نہ ایک دن کو اس کو ذبح ہونا ہے۔ انتہی

فقیر کہتا ہے کہ فی نفس الامر اور دراصل دین اسلام بودا نہیں بلکہ بالیقین دین قیم، صراطِ مستقیم، عروہ وثقیٰ اور حبل متین ہے مگر اپنی کمالِ نظافت ولطافت سے خبیث اور کثیف چیزوں سے شمول نہیں رکھتا ہے، کفر کے اقوال اور افعال سے میل ملاپ کا تو کیا ذکر ہے، اس کی شکل دیکھنے سے بیزار ہے۔ جہاں کفر کا نام آیا اسلام کا سلام ہے۔ پس کفر کے آنے سے اسلام کا چلا جانا اس کی بودگی کی علامت نہیں بلکہ اس کی لطافت اور نظافت کی نشانی ہے۔ جیسا کہ زندگی اور موت بینائی اور نابینائی جمع نہیں ہوتیں ویسا ہی کفر اور ایمان نہیں مل بیٹھتے، کیوں کہ ان کے درمیان نسبت تضاد واقع ہے اور

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

نیز حکما نے لکھا ہے کہ **کل إنسان یأنس إلی شکله کما أن کل طیر یطیر مع مثله۔**

یعنی کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز۔

اور یہ خیال (کہ ایمان لانے کے بعد کبھی کفر نہیں آتا خواہ آدمی شعار کفر میں ہی گرفتار ہو) تو قرآن کی رو سے محض باطل ہے پہلے سیپارہ کی آیت مبارک ہے :

وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتَابِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِنۡ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا o (سورۂ بقرہ:۱۰۹/۲)

یعنی اور جس نے ایمان کو کفر کے ساتھ بدل کیا یعنی ایمان کے بعد کافر ہوا پس بے شک سیدھے راستہ سے بھولا۔ بہت سے اہل کتاب کا دل چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد کافر کردیں۔

اور یہ بھی پہلے سیپارہ کی آیت شریف ہے :

مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَةً

یعنی جو کوئی کرے کوئی گناہ خواہ صغیرہ ہی ہو۔

وَ اَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِیۡئَتُهٗ

یعنی اور گھیر لے اس کو وہ گناہ اور احاطہ کی حد یہ ہے کہ اول گناہ کی تاثیر جوارح عمل سے دل کو پہنچے اور بہت لذت آئے پھر اس گناہ کی پسندیدگی اور عمدگی دل میں گڑ جائے اور اس کی قباحت کا انکار دل سے دُور ہو جائے پس کفر لازم آیا اس لیے فرمایا :

فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ

یعنی وہ جماعت دوزخ کے ملازم ہیں۔

هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ o (سورۂ بقرہ:۸۱/۲)

وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے- کذا فی تفسیر فتح العزیز وغیرہ-

پھر دوسرے سیپارہ کے تیسرے پاؤ کی آیت کریمہ :

وَ مَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَیَمُتۡ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ o (سورۃ بقرہ:۲/۲۱۷)

یعنی جو کوئی پھرے گا تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جائے گا کفر ہی پر تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل، دنیا اور آخرت میں اور وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ گناہ کا مباح جاننا کفر ہے اور مباح جاننے کے معنی یہ ہیں کہ دل میں اس گناہ کا خوف نہ رہے اور اس کا قبح دل سے دُور ہو جائے گو زبان سے اس کو حرام اقرار کرے اور دل سے بھی حرام جانے کہ شرع میں اس کو کسی مصلحت کے واسطے حرام کیا ہے اور اس پر وعید تخویف کے واسطے آئی ہے، ورنہ فی نفسہٖ اس فعل میں کوئی وجہ قباحت کی نہیں۔ کذا فی تفسیر فتح العزیز فی ذیل آیت **بلی من کسب سیئۃ**۔

پس غور کرو کہ جب دل سے گناہ کو مباح جاننے سے کفر عائد ہوتا ہے تو جو شخص خان صاحب کی طرح سود کو حلال کہے اور کفر کے شعار اور افعال میں شمول کو مباح جانے اور اس میں شامل ہونے کے واسطے مسلمانوں کو جری کرے تو اس کے کافر ما بعد ہونے میں کیا شک ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اب خان صاحب بہادر کی اس انیسویں غلطی کے تین وجہوں پر شامل ہونے سے اکیس غلطیاں ہوئیں۔

بائیسویں غلطی یہ ہے جو لکھتے ہیں: اس حدیث کو جس کو میں آئندہ سے قول کہوں گا کیوں کہ میرے نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے، کوئی صحیح مورد بجز ایک کے کہ وہ بھی قیاساً قرار نہیں پا سکتا ہے۔ انتہی بلفظہٖ

اوپر اس حدیث: **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کا روایۃً حدیث ہونا بہت سی معتبر حدیث کی کتابوں کی رو سے ثابت ہو چکا ہے اور درایۃً بھی اس کا حدیث ہونا مطابق آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ حبیب رحمانی کے متحقق ہو گیا ہے تو پھر خان صاحب بہادر کے عندیہ کا کیا اعتبار ہے!۔ وہ تو کئی ضروریاتِ دین سے مثل تعیین سمت قبلہ کا نماز میں اور روزہ و حج کی فرضیت کے منکر ہیں اور سود لینا دولتمندوں سے، نیز کاروبار بیوپار میں سود کا لینا دینا جو منجملہ قطعی حراموں کے ہے حلال سمجھتے ہیں جیسا کہ اوپر آ چکا ہے۔ پس خان صاحب بہادر اور ان کے عندیے تو خارج البحث ہیں۔

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

تیئیسویں غلطی موتِ اژدہام میں یعنی جس حالت میں موت اژدحام واقع ہو اور مختلف قوموں کے مردے گڈمڈ ہو جائیں تو حکم **من تشبہ بِقوم فھو مِنھم** کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے مشابہ ہوگی اسی قوم کی شمار ہوگی اور اس کی تجہیز و تکفین اسی طرح کی جائے گی۔ درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاشیں پہچاننے کی چار علامتیں ہیں خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ۔ انتہی

اس جگہ خان صاحب بہادر سے دو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں :

اوّل تو یہ کہ پہلے زور وشور سے کہہ رہے تھے کہ اس حدیث کا کوئی صحیح مورد نہیں ہے، اب موتِ اژدحام میں اس کے حکم کے جاری ہونے پر اپنا اعتماد اور اعتقاد بیان کیا ہے۔ پس سوچو کہ جب بعد الموت تشبہ نے یہ تاثیر کی کہ جس قوم سے کوئی لاش مشابہ ہوئی تو وہ اسی قوم کی متصور ہو کہ بموجب ان کے تجہیز و تکفین اس کی وقوع میں آئی تو پھر زندگی میں اس حدیث نے کیوں نہ تاثیر کی اور کون (سا) لفظ ہے اس حدیث میں جس کی رو سے یہ مورد قرار دیا گیا ہے۔ الغرض خان صاحب بہادر ہوائے نفسانی کے مقلد اور پیرو ہیں، جدھر کھینچتی ہے جاتے ہیں۔

رشتہ درگردنش افگندۂ دوست ☆ می کشد برجا کہ خاطر خواہ اوست

دوسری یہ کہ درمختار میں خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ کو کہیں بھی لاشوں کو پہچاننے کی علامت ذکر نہیں کیا ہے، صرف خان صاحب بہادر کے خبط اور مختل الحواسی پر بنیاد ہے کیوں کہ درمختار کے باب صلوۃ الجنازہ ضمن فروع میں یوں لکھا ہے کہ اگر کسی کی لاش کہیں ملے اور معلوم نہ ہو کہ مسلمان ہے یا کافر اور کوئی علامت بھی نہ ہو تو پس اگر دارالسلام میں ہے تو غسل دے کر جنازہ پڑھا جائے اور اگر دارالحرب میں ہے تو ایسا نہ کریں۔ اور جب مسلمانوں کی لاشیں کفار سے گڈمڈ ہوں اور کوئی علامت شناخت کی نہ ہو تو اکثر کا اعتبار ہوگا، پس اگر برابر ہیں تو غسل دیں اور جنازہ میں اختلاف ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت درمختار کا۔

اور خان صاحب بہادر کی علامتوں کا درمختار میں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہاں حاشیہ شامی درمختار میں جس کا نام 'ردالمحتار' ہے اس میں یہ چار علامتیں مذکور ہیں، پس کہاں درمختار اور کہاں ردالمحتار جن میں لفظی معنوی اتحاد نہیں ہے۔

دیکھو خان صاحب بہادر کی نقل ایسی بے اصل ہے اور عقل ایسی مختل ہے کہ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ادنی درجہ علم سے بھی عاری ہیں اور قدم قدم پر لغزش کر رہے ہیں۔ اس ایک حدیث کے جواب کی ایک ورق عبارت میں چوبیس (۲۴) فاحش غلطیاں کی ہیں اور تفسیر القرآن کا حال بھی کسی قدر راو پر عیاں ہو گیا ہے کہ از سر تا پا غلطی پر مدار ہے پھر دعوی یہ ہے کہ ہم سب متقدمین علما کی غلطیاں نکالتے ہیں اور غور سے حق معلوم کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس اس خام خیال اور ہزار ہا افسوس ان کی قوم اور ذریات کے چلن چال پر جو ان کو پیشوائے وقت اور سچارہ نما جانتے ہیں اور ان کے مدرسہ کو مدرسۃ العلوم مانتے ہیں، اپنے مال کا اسراف کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو بے دین صاف۔ پس سب اہل اسلام کو لازم ہے کہ ایسے بد اعتقادوں کی مجالست اور محبت سے بچیں، ورنہ عذابِ اُخروی میں گرفتار ہوں گے کہ حق تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کا حکم محکم یہی ہے جیسا کہ اوپر مشرح بیان ہو چکا ہے۔

الغرض بے شک پیشین گوئی رسول اکرم ﷺ کی جو بہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحیحین وغیرہما میں آئی ہے ان کے حق میں سراسر راست آئی ہے یعنی ذات پاک محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخر زمانہ میں جب عالم نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنا کر مسائل پوچھیں گے۔ **فَاَفتُوا بغَیُر عِلُمٍ**۔ پس وہ جاہل بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ **فَضلُّوا و اضَلُّوا**۔ پس وہ پیشوا خود تو گم راہ تھے، دوسروں کو بھی گم راہ کریں گے۔ یہ ترجمہ ہے حدیث صحیح کا۔

پس اس تحریر کے ناظرین باتمکین یقین کریں گے کہ خان صاحب بہادر اور ان کے پیرو کیسے ٹھیک ٹھیک اس کا مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضلال اور اضلال سے بچائے اور راہ راست اہل سنت پر لائے اور فقیر کی اس تحریر کو موجب ہم دردی امت مرحوم بنائے اور اس گنہ گار کے لیے سبب نجات اخروی فرمائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعترتہ وسلم اجمعین۔

تمت فی قصبة مگھووال من مضافات گجرات یوم السبت

ثالث عشر من رجب المرجب ۱۳۰۰ ھجریة مقدسة

تقریظاتِ علماے کبار

اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا عَجَبًا يَهْدِىْ اِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهٖ

فقیر غلام مرتضیٰ ساکن بیربل عفی عنہ

شیخ احمد دریکانی عفی عنہ

فقیر غلام نبی احمدی عفی عنہ للہ والہ

الحمد للّٰه الذي هدانا الى الصراط المستقيم و ثبتنا على المنهج القويم و الصلوة على سيدنا محمد حبيب الرحمٰن الرحيم وعلى آله و اصحابه الذين جعلوا محبتهم فداء لاِمتثال احكام الرؤف الكريم .اما بعد فقد طالعت الرسالة العجيبة التى صنفها الفاضل الالمعى و الكامل الاوزعى فى رد شبهات خان صاحب بهادر فوجدتها حقا و شبهات الخان المذكور مردودا باطلا، كيف و هى مخالفته بصريح النصوص و قاطعة لعرق الفصوص اللّٰه يقول الحق و هو يهدى السبيل .

كتبه العبد المسكين محمد نور الدين عفى عنه چكورى واله–

محمد امين ولد مولانا نور الدين(مرحوم)۔

الحمد للّٰه الذي انزل على عبده الكتاب و لم يجعل له عوجا و بعد ! فانى قد طالعت مرارا جزالات تهذيب الاخلاق المشتهر فى الآفاق المملوة من الشواز و النوادر المرسلة من سيد احمد خان بهادر هداه اللّٰه تعالى فوجدتها قاطعة لاصول الإسلام حديدة من قطع الصمصام مبانيها معنونة بالدلائل الاسلامى و معانيها مقرونة الى الملة النصرانية فلا تغتر بفصاحة كلماتها و بلاغة إشاراتها فانها مزبلة مستورة بالخضرآء و سودآء محترقة تحت الصفراء وماكل سودآ تمرة ولا كل بيضا شمحة و للّٰه در من قال ؎

کم حسنت لذة للمرء قاتلة
من حیث لم یدر ان السم فی الدسم

و انا العبد المسکین شیخ عبداللّٰه صدر الدین عفی عنه الساکن فی قریة چك عمر من نواح الکجرات ۔

ازمفتی صاحب میانی والہ۔

الطافِ دل نواز تو آمد بسوے من
یا کاروانِ مشک زراہِ ختن رسید

ھذا کتاب قد کمل بورودہ نشاطی

☆ غلام محی الدین نکساری عفی عنہ، غلام احمد خلف مفتی صاحب۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غلام دستگیر غوث اعظم بفرمودست تقریر مسلم
بحق گفتن سخن را داد میداد بنائے دین احمد تازہ بنہاد
چہ می گویم ز تحقیق بیانش کتاب عمدہ لا ریب ست شانش
منم عالم بریں آوردم ایماں چو ایمانیکہ آوردم بقرآں
الٰہی بر مصنف رحمت باد بیمن آنکہ النون ست والصاد

محمد عالم بن محمد کوھر ساکن کھوری غفرلھما، غلام جیلانی بن محمد عالم، غلام غوث بن محمد عالم، عبدالملك بن محمد عالم ، از علماے بھرہ وغیرہ ضلع شاہ پور

سبحان من تنزہ عن التشبیه و الصلوة علی من لیس له شبیه و آله وصحبه الذین کلهم فقیه ونبیه و بعد فقد طالعت هذه العجالة الرائعة التی حجمها قلیل و فحواها کثیر جلیل فوجدتها تشفی العلیل و تروی الغلیل مدار الاسلام علی التشبه بالمسلمین و التبرئ عن المشرکین و صاحب الرسالة اتی بلب تقاریر فحول العلماء الراسخین و استأصل

اصول الملحدین و الدھرین و السلام علی من اتبع الھدی .

حررہ الفقیر عبدالقادر البھیروی عفی عنہ، المسکین عبدالعزیز بگے والہ عفی عنہ، غلام رسول چاوی والہ عفی عنہ، محمد عبدالکریم قاصی شاہ پور، فقیر قل احمد ساکن چك رامداس، فقیر عبدالحق عفی عنہ، فقیر علا الدین ساکن بھابرہ،

ازعلماے ڈیرہ اسماعیل خان۔

نعم الکتاب، الناطق بالحق والصواب وحبذا لمولف الملھم من اللّٰہ الوھاب.

عبدالقادر بن الشیخ الامام قادر بخش الدیروی، عبدالغفار عفی عنہ، محمد مسکین عفی عنہ، ولی محمد جانشین حضرت مرالی والہ، خادم العلما غلام محمد، شیر محمد خلف مولوی غلام محمد ساکن لیہ علاقہ ڈیرہ،

ازعلماریاست اسلامیہ بہاول پور

حدیث تشبہ مقبول ہے اور تردید مردود۔ یضل اللّٰہ من یشاء ویھدی من یشاء.

خلیل احمد مدرس اول مدرسہ بھاولپور، نذیر احمد مدرس دوم، رشید احمد عفی عنہ، محمد غوث بھاول پوری، فقیر احمد بخش عفی عنہ، مشتاق احمد قادر بخش، فقیر فتح محمد شاہ

ازعلماے لاہور

رأیت ھذہ الرسالۃ من اولھا الی آخرھا فھذا ھو الرشد لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد .

فقیر غلام محمد بگے والا امام مسجد شاھی لاھور، فقیر نور احمد امام مسجد انار کلی، محمد یار نائب امام مسجد شاھی لاھور، فقیر احمد

دین جانشین درس۔

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، الحمد لله الذي اعز العلماء المقصمين بالكتاب و السنة فى كل زمان ، و افل الجهلاء المبتدعين فى الملة و المذهب فى كل مكان، اضاء انوار الملة بالعلماء الراسخين و اطفاء أشرار اليدعة الرذلة بالفضلاء المتقنين، و الصلوة و السلام على من هو ذروة سنام المجد و العلى و الذى هو فص ختام العلم و الهدى و على آله و اصحابه ائمة الورى وتابعهم و تبعهم شموس الدجى و بعد فهذه رسالة ألفها العالم الخبير واللبيب الكبير محبنا و مولانا المولوى غلام دستگير سلمه اللّٰه القدير عن سوء كل شرير فأنعم تأليفها وأحسن ترصيفها و قد رأيت اكثر مواضعها و بقى ايضا أوفر مواقعها لقلة الامهال و كثرة الاشتغال و بالجملة فالحديث المذكور اعنى من تشبه بِقوم فهو مِنهم أحسن رواية و أصح دراية وحاصله أن من اشتهى المشابه بقوم فهو منهم كما تدل عليه صيغة التفعل و هذا المعنى لا شك فى استقامة أو اشتهاء المشابهة بقوم لا ينشأ إلا عن حب صادق و المرء مع أحب كما ثبت فى الصحيح و دوام الموافقة مع الكفار فى الاوضاع المختصة من غير ضرورة صحيحة كما هو داب أهل الزمان شاهد صدق على اشتهاء المشابه و قصدها قال سيدنا عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه لا يشبه الزى فى الزى حتى يشبه القلوب بالقلوب و ما ثبت من لبسه عليه السلام بعض ألبسة الكفار فى بعض الاحيان فمحمول على ما اذا لم يقصد التشبه، والتشابه لا يستلزم التشبه، فان الثانى بالقصد دون الاول على أن القول راجح على الفعل والمحرم قاض على المبيح كما ثبت فى الاصول و قد ثبت نهيه عليه السلام عن التشبه بالكفار مرة بعد الاخرى و كرة غب الاولىٰ هذا و اللّٰه اعلم بالصواب .

نمقه العبد المذنب الاواه المفتى محمد عبداللّٰه الٹونکی مدرس اوسط یونی ورسٹی عفی اللّٰه عنه ما جناه۔

از علماے قصور

جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا o

سید غلام حسین قصوری عفی عنہ، فقیر حافظ سید محمد قصوری، حافظ غلامِ مصطفی قصوری، فقیر عبد الملك واعظ قصور، فقیر محمد فضل حق امام مسجد کلاں قصور، سید محمد عبدالحق قصوری کوٹ مراد خان، سید محمد زمان شاہ ساکن ایضا۔

تمت بالخیر و الظفر

ضمیمہ

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحِیمِ ۱۳۰۳ھ

بعد مرتب ہونے رسالہ جواہر مضیہ کے خان صاحب بہادر کی تفسیر القرآن کی دوسری جلد دیکھنے میں آئی جس میں حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے، نیز ان کے معجزات سے اِنکار ہے تو بہ نظر **اِبتغاءً لمَرضات اللّٰہ** اس کا قول قول نقل کر کے اور اس کی تردید واقعی کر کے رسالہ موصوفہ کے اخیر ملحق کیا جاتا ہے۔ **و بِاللّٰہِ التوفِیق .**

قولہ: عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ (ص۲۲)

اقول: عیسائی بحکم انجیل اور مسلمان بفرمانِ قرآن سچا اِعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا جل وعلا کے حکم سے بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ چناں چہ متی کی انجیل کے پہلے باب کے ورس ۱۸ سے ۲۱ تک لکھا ہے :

> ۱۸: اب یسوع کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔

۱۹: تب اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور نہ چاہا کہ اسے تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اسے چپکے ہی چھوڑ دے۔

۲۰: وہ ان باتوں کی سوچ میں تھا کہ دیکھو خداوند کے ایک فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر کیا اے یوسف ابن داود! اپنی جورو مریم کو اپنے یہاں لے آنے سے مت ڈر کیوں کہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے۔

۲۱: اور وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھے گا۔ انتہی

اور لوقا کی انجیل کے پہلے باب کے ورس ۲۶ سے ۳۵ تک کا خلاصۂ عبارت یہ ہے :

۲۶: جبرئیل فرشتہ نے خدا کی طرف سے۔ ۲۷: ایک کنواری کے پاس جس کے یوسف نامی ایک مرد سے منگنی ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا اندر آ کر کہا کہ اے پسندیدہ سلام خداوند تیرے ساتھ تو عورتوں میں مبارک ہے۔ ۲۹: پَر وہ اسے دیکھ کر گھبرائی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ ۳۰: تب فرشتے نے کہا: اے مریم! مت ڈر کہ تو نے خدا کے حضور فضل پایا۔ ۳۱: اور دیکھ تو حاملہ ہوگئی اور بیٹا جنے گی اس کا نام یسوع رکھے گی۔ ۳۴: تب مریم نے فرشتے سے کہا: یہ کیوں کر ہوگا جس حال میں میں مرد کو نہیں جانتی۔ ۳۵: فرشتے نے جواب میں اسے کہا کہ روح قدس تجھ پر اُترے گی اور خدائے تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر ہوگا۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔

اور قرآن میں کئی جگہ ایسا ہی مذکور ہے صرف انجیل میں یوسف سے منگنی کا ذکر زائد ہے باقی قصہ پیدائش حضرت مسیح بن باپ بحکم حق سبحانہ وتعالیٰ پیدا ہوئے تھے، مگر خان صاحب بہادر کا قرآن وانجیل پر اِیمان نہیں ہے، یہود مردود کی طرح حضرت مسیح کی شانِ والا کو بٹہ لگاتے ہیں جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

قولہ: بہ طریق اِعجاز عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے پر معجزہ کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ معجزہ بہ مقابلہ منکرانِ نبوت صادر ہوتا ہے قبل ولادت حضرت مسیح بلکہ قبل اِدعائے نبوت یا اُلوہیت کوئی شخص منکر نہیں ہوسکتا تھا پھر معجزہ کیوں کر کہا جاسکتا ہے۔ مع ہٰذا اگر وہ معجزہ ہوتا تو حضرت مریم کا معجزہ ہوتا نہ حضرت مسیح کا، علاوہ اس کے جب کہ ان کی ولادت ٹھیک اسی طرح پر واقع ہوئی تھی جس طرح کہ عموماً بچوں کی ہوتی کہ نو مہینے تک حمل میں رہے اور وقت ولادت حضرت مریم پر وہ تمام حالات

طاری ہوئے جو عموماً عورتوں پر بچوں کی پیدائش میں طاری ہوتے ہیں تو کسی طرح اِعجاز اان کے پیدا ہونے کا اِحتمال بھی کسی کو نہیں ہوسکتا تھا۔ (ص: ۲۳، ۲۴)

اقول: خان صاحب بہادر نے تفسیر القرآن کی پہلی جلد کے ص ۱۲۸ میں لکھا تھا کہ معجزہ امرِ مطلوب پر یعنی اثباتِ نبوت یا خدا کی طرف ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ انتھی

جیسا کہ ہم مبحث اِنکارِ معجزات کے رد میں یہ قول نقل کر چکے ہیں اور اب خان صاحب بہادر لکھتے ہیں کہ معجزہ بمقابلہ منکرانِ نبوت صادر ہوتا ہے۔ انتھی

خیر ہم ایسے تناقضات سے درگزر کر کے لکھتے ہیں کہ معجزہ میں یہ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ بمقابلہ منکرانِ نبوت ہی صادر ہو بلکہ بہت سے معجزات صرف مسلمانوں میں ہی ظاہر ہوئے ہیں کسی کافر نے کوئی درخواست نہیں کی تھی چناں چہ سفروں میں پانی اور طعام کا زیادہ ہونا اور دعوت کے موقع پر ہی ایسا وقوع میں آنا جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ معجزہ وسیلہ ہے ایمان دلانے یا یقین بڑھانے کا اس نبی کے حق میں جس سے صادر ہوتا ہے، سو حضرت مسیح نے جب کہ اپنے تولد کے بعد عنقریب ہی نبوت کا دعویٰ ظاہر کیا کہ جس کو حق تعالیٰ نے ان سے حکایت فرمایا ہے کہ اِنِّی عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا الآیۃ تو اس دعوئ نبوت پر تصدیق دلانے کے لیے ان کا بن باپ کے پیدا ہونا من جانب اللہ تعالیٰ از قسم اِرہاص جو قبل النبوۃ خارق العادۃ کا نام ہے قرار دیا گیا اور تکلم فی المہد معجزہ بعد النبوۃ واقع ہوا جس کی تفصیل اپنے موقع پر ہوگی۔

اور یہی تولد بلا والد حضرت مریم کی بھی کرامت ہے جو ان کی صداقت اور عفت اور قبولیت کا ثمرہ ہے پھر مدت حمل کی جو نو مہینے لکھی ہے تو یہ روایت قوی اور معتبر نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو اعلم الصحابہ بہ تفسیر القرآن ہیں روایت ہے کہ ایک ہی ساعت حضرت مسیح کی حمل اور ولادت کی مدت تھی جیسا کہ سب سے پہلے بھی روایت تفسیروں میں درج ہے اور بطریق تسلیم اگر نو مہینے ہی مدت حمل کی تھی اور حضرت مریم کو درد ِزہ وغیرہ عوارض لاحق بھی ہوئے تو کیا اس سے بن باپ پیدا ہونے کے معجزہ میں کوئی خلل واقع ہو گیا۔ نہیں ہرگز نہیں، بن باپ پیدا ہونا فی نفسہٖ بڑا بھاری نشان ہے جس میں بہ سبب نو مہینے مدت حمل کے اور بہ وقت ولادت لحوق عوارض سے کسی

ایمان دار کو مجالِ انکار نہیں ہے اور بے ایمان جو چاہے سو کہے۔ واللہ ہو الہادِی۔

قولہ: مسلمان بھی قرآن کی رو سے جیسے کہ سورۂ انعام میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیم کی ذریت یعنی اولاد میں سمجھتے ہیں پس اگر حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہوں تو وہ نسل اور اولادِ ابراہیم سے کیوں کر قرار پا سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ماں کے سبب سے ان کو داؤد کی نسل سے قرار دیا گیا ہے تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے: اول اس لیے کہ یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوسکتا۔ دوسری یہ کہ حضرت مریم کا نسل داؤد سے ہونا ثابت نہیں۔ (ص:۲۵)

اقول: خان صاحب بہادر نے اپنا نرالا دین نکالا ہے جس بات کو علمائے اسلام متقدمین و متاخرین سب کے سب اور ایسا ہی عیسائی قرآن اور انجیل سے نہایت متانت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، یہ نئے مفسر اپنی زبان سے اس کا انکار کر کے اس کے برخلاف قائل ہو جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ساری کارروائی بلا حجت و دلیل ہوتی ہے اور ممکن بھی نہیں کہ جو اہل قرآن و انجیل کے برخلاف ہو اس کے پاس کوئی دلیل بھی ہو، مگر تعجب ہے ان سے جو ایسے متکبر خود بینی میں گرفتار کا اِعتبار کر کے اس کے پیرو کار بنتے جاتے ہیں۔ دیکھو قرآن شریف کی سورۂ انعام کے نویں رکوع میں حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں اِرشاد ہے :

وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ كُلًّا هَدَيۡنَا وَ نُوۡحاً هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيۡمَانَ وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡسُفَ وَ مُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحۡيٰى وَ عِيۡسٰى وَ اِلۡيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ يُوۡنُسَ وَ لُوۡطاً كُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ٥ (سورۂ انعام:۶/۸۴تا۸۶)

ان آیتوں میں جو حضرت عیسیٰ کو ذریت ابراہیم میں داخل کیا ہے حالاں کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے تو اس کی وجہ مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ بہ سبب اس کے کہ حضرت مریم اولادِ ابراہیم میں سے ہیں تو حضرت عیسیٰ بھی اولادِ ابراہیم سے شمار کیے گئے کہ نواسہ بھی نانک والوں کی ذریت میں سے ہوتا ہے تو اس توجیہ سے خان صاحب بہادر منکر ہو کر یہودی شریعت کے پیرو بن گئے اور یہ نہیں جانتے کہ یہود مردود تو - معاذ اللہ - حضرت مریم کو عفیفہ اور حضرت مسیح کو ولد حلال

نہیں جانتے ہیں۔ **لعنھم اللہ لعنا کبیرا**۔ ہاں خان صاحب بہادر بھی حضرت مسیح کو مسیح موعود نہیں مانتے بلکہ یوسف نجار کا بیٹا جانتے ہیں۔ **اِنا لِلّٰہِ و اِنا اِلیہِ راجِعون**۔

پھر یہ جو لکھا ہے کہ حضرت مریم کا داؤد کی نسل سے ہونا ثابت نہیں۔ انتہی، جھوٹ اور بالکل دروغِ بے فروغ ہے، کیوں کہ آلِ عمران کی تفسیر میں مفسرین تصریح کر رہے ہیں کہ حضرت مریم بنت عمران کا نسب حضرت داؤد سے ملتا ہے۔ چناں چہ بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ بیسویں پشت حضرت مریم کی حضرت داؤد سے ملتی ہے۔ پس بایں ہمہ حضرت مریم کے نسل داؤد سے ہونے کا اِنکار کرنا یہودِ مردود میں شامل ہونا ہے۔

قولہ: قرآنِ مجید نے اِس بات میں کہ حضرت عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے تھے کچھ بحث نہیں کی، یہ کہیں نہیں بیان ہوا کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے، جہاں تک کہ اشارہ ہے حضرت عیسی کے روح القدس اور کلمۃ اللہ ہونے کا اور حضرت مریم کی عصمت وطہارت کا اِشارہ ہے۔ (ص:۳۱)

اقول: قرآنِ مجید میں حضرت عیسیٰ کے باپ کی نسبت کچھ بھی بحث نہیں ہے یہ کہیں بھی بیان نہیں ہوا کہ حضرت عیسیٰ فلانے باپ کے بیٹے ہیں اس امر پر اشارہ تک قرآن مجید میں نہیں حالاں کہ جن کے باپ ہیں ان کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے کہیں **یٰبنِی اِسرائِیل** فرمایا، کہیں **یابنِی ادم** سنایا اور **مریم بنت عمران** بھی وہاں ہے۔

پس حضرت مسیح کے باپ کا ذکر نہ کرنا اور کئی جگہ ابن مریم ہی تعبیر کرنا اور بن باپ کے ہونے میں **اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ** فرمانا دلیل تام ہے اس پر کہ حضرت مسیح کا بن باپ پیدا ہونا عمدہ طور سے قرآن میں مذکور ہے، اور جو اس سے منکر ہے وہ اپنی جہالت میں معذور ہے۔

پھر حضرت مسیح کے **روح القدس** اور کلمۃ اللہ ہونے کا اور حضرت مریم کی عصمت وطہارت کا اشارہ قرآن میں بیان کرنا سخت نادانی ہے، بندۂ خدا جن کے بارے میں ارشاد ہو **وکلمتُہٗ القَاھَا الیٰ مَریَم و روح منہ** اور جس کے حق میں **والتی احصَنَتْ فرجَھا** کئی مرتبہ وارد ہو ایسے منصوصاتِ قرآنیہ کو اشارہ سے تعبیر کرنا صریح غفلت یا جہالت ہے قواعد اصول سے۔ الحق اگر خان صاحب بہادر ایسی جہالت اور بطالت میں گرفتار نہ ہوتے تو ضروریاتِ دین متین سے اِنکار نہ

کرتے۔ اللہ تعالیٰ راہ ہدایت دکھائے اور ضلالت وغوائت سے بچائے۔

قولہ: سب سے زیادہ غور کے لائق لفظ **لَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا** ہے بلاشبہ یہ دو کلمے تو نہایت صحیح ہیں اور جس زمانہ میں بشارت ہوئی اس زمانہ میں بلاشبہ حضرت مریم کو کسی مرد نے نہیں چھوا تھا بلکہ غالباً ان کا خطبہ بھی یوسف کے ساتھ نہ ہوا تھا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی یہ امر واقع نہیں ہوا۔ اور کیا عجب ہے کہ اس خواب کے بعد ہی حضرت مریم کو اور ان کے مربیوں کو حضرت مریم کی شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو جو آخر کار یوسف کے ساتھ عقد ہونے سے پورا ہوا۔ اس تعجب کے بعد فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا: **کذالک اللہ یخلقُ ما یشاء.** اسی طرح حضرت زکریا سے کہا تھا: **کذالک اللّٰہ یفعل ما یشاء.** حضرت مریم سے کہا: **قال کذالک قال ربک ھو علی ھین.** اسی طرح حضرت زکریا سے کہا: **قال کذالک قال ربک ھو علی ھَیِّنٌ**۔ (ص:۳۳)

اقول: خان صاحب بہادر نے اندھیری رات میں بیٹھ کر علم پڑھا تھا جس سے تاریکی آپ کے ظاہر باطن پر چھا گئی یہاں تک کہ اپنے وہم اور خیال سے قرآن میں تاویلاتِ باطلہ کو دخل دے رہے ہیں اور اپنی رائے نفسانی کی طرف کلام پاک کو کھینچ رہے ہیں، اس مایہ علمی پر کہ لفظوں کی بول چال سے بھی ناواقف ہیں بلکہ مفرد و تثنیہ میں اِمتیاز نہیں دیکھو **وَلَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا** جو ایک آیت کے دو فقرے نو لفظوں سے مرکب ہیں جس کو خان صاحب بہادر نے اول لفظ اور اخیر میں دو کلمے لکھا ہے۔ پس نو کلموں کے دو فقروں کو لفظ پھر دو کلمے کہنا کس قدر ناواقفیت تعبیرات محاورات سے ہے، اور اِبتدا سے آیت کے آخری حرف واوٗ(۱) کو دُور کر کے قرآن میں نقصان کر دیا ہے جو ان کی سمجھ کا نقصان ہے، اور اس تمیز پر نازاں ہو کر علمائے اولین و آخرین اہل اسلام و نصاری کے مقابلہ کا بیڑہ اٹھالیا ہے ع: برایں عقل و ہمت بباید گریست

پھر خطاب و جواب حضرت جبریل و مریم کو جو بیداری میں روبرو ہوا تھا جیسا کہ سب تفسیروں میں درج ہے اور سیاق قرآن بھی اسی پر دال ہے واقعہ خواب بیان کرنا خان صاحب بہادر کی خوابِ خرگوش ہے کہ سوتے پڑے باتیں کر رہے ہیں کہ اس مکالمہ کو خواب سے تعبیر کرنے کا ذکر چھوڑ کر

---

(۱) دیکھو پہلی سطر اس صفحہ کے ابتداء میں کہ آیت کو نقل کرنے میں حرف واوٗ کو ساقط کر دیا ہے۔ ۱۲

قرآن میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے، مگر خان صاحب بہادر نے اپنی بہادری سے باز نہیں آنا اور قرآنِ مجید محفوظ کو تحریف کیے جانا ہے، خواہ دانش منداور دین داروں کے ریش خند ہی بن جائیں۔

پھر یہ توجیہ وجیہ بیان کرنی کہ ’کیا عجب ہے کہ اس خواب کے بعد ہی حضرت مریم اوران کے مربیوں کو شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو‘ الخ۔ محض ہٹ دھرمی ہے، قرآن اورانجیل دونوں اس کی تکذیب کررہی ہیں۔ چناں چہ انجیل سے اوپر صاف صاف منقول ہو چکا ہے کہ مریم مرد سے جمع ہونے سے پہلے روح القدس سے حاملہ ہوگئی اور فرشتہ نے کہا: دیکھ تو حاملہ ہوگئی اور بیٹا جنے گی اور قرآنِ مجید کے طرزِ کلام اور مقتضاے مرام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے کی بات چیت کرتے ہی بلا توقف ومہلت حضرت مریم حاملہ ہوگئیں تھیں جیسا کہ سورۂ مریم کی آیات کو لکھ کر ترجمہ سناتا ہوں:

وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتَابِ مَرۡيَم .

اور یاد کر قرآن میں مریم کا قصہ۔

اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا .

جب گوشہ پکڑا اس نے اپنی قوم سے گھر کے شرقی مکان میں۔

فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا .

پس پکڑا اس نے ورے ان کے اوپر پردہ۔

فَاَرۡسَلۡنَا اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا .

پس بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنی روح یعنی جبریل کو۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا .

پس صورت پکڑی یعنی جبریل نے اس کے لیے آدمی تندرست کی۔

قَالَ اِنِّی اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا .

کہنے لگی یعنی مریم میں پناہ پکڑتی ہوں خدا کے ساتھ تجھ سے اگر چہ ہے تو پرہیز گار۔

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لاَھَبَ لَکِ غُلاَماً زَکِیًّا.

کہنے لگا یعنی فرشتہ مریم کو اور کچھ نہیں میں تو تیرے رب کا رسول ہوں کہ بخشوں تجھے پاکیزہ لڑکا۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِی غُلاَمٌ وَ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ وَ لَمْ اَکُ بَغِیًّا.

کہا یعنی مریم نے کیوں کر ہوگا میرے لیے لڑکا اور نہیں ہاتھ لگایا مجھ کو کسی مرد نے یعنی نکاح سے اور نہیں میں بدکار۔

قَالَ کَذَالِکَ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ آیةً لِلنَّاسِ وَ رحمةً مِنَّا وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا.

بولا یعنی فرشتہ یوں ہی فرمایا ہے تیرے رب نے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو یعنی لڑکے کو ہم کیا چاہیں لوگوں کے لیے نشانی اور مہربانی ہماری طرف سے اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَکَانًا قَصِیًّا.

پس حاملہ ہوگئی یعنی مریم ساتھ اس کے یعنی لڑکے کے پس کنارے ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں۔

فَاَجَآءَ ھَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ.

پس لے آیا اس کو درد زہ ایک کھجور کی جڑ میں۔

قَالَت یٰلَیْتَنِی مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا o (سورۂ مریم:۱۹/۱۶تا۲۳)

کہا: اے کاش! میں مرگئی ہوتی پہلے اس سے اور ہوتی بھولی بھلائی۔

-کذا فی فتح الرحمٰن وغیرہ-

اب ہم خان صاحب بہادر کی پاس خاطر اگر تفسیروں کے بیان کا لحاظ نہ کریں تاہم عربی کلام کے مذاق دان یقین کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم نے فرشتے کی بشارت دینے کے بعد کہا کہ مجھے لڑکا کیوں کر ہوگا حالاں کہ اب تک نہ میرا نکاح ہوا اور نہ میں بدکار ہوں یعنی ان دونوں وجہوں سے

لڑکا ہوتا ہے اور مجھ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ تو فرشتے نے جواب میں کہا کہ تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ کام یعنی سوائے ہم بستری مرد کے لڑکا دینا مجھ پر آسان ہے یعنی خدا قادر ہے کہ بن باپ لڑکا پیدا کر دے اور یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور رحمت ہے اور یہ کام یعنی بن باپ لڑکا دینا خدا کے حکم میں آ چکا ہے تو اس گفتگو کے بعد ہی خبر دی **فحملتہ** یعنی مریم اس لڑکے سے حاملہ ہو گئی بغیر مہلت اور فرصت کے، کیوں کہ حرف فا جو حروفِ عاطفہ سے ہے اس میں ترتیب ہوتی ہے بلا مہلت کے۔

اگر خان صاحب بہادر کو مطول، مختصر معانی، شرح ملا جامی وغیرہا پر دیکھنے کی دست رس نہیں تو شرحِ مائۃ عوامل میں ہے دیکھ لیں کہ فا میں مہلت نہیں ہوتی، ترتیب بلا مہلت پر دلالت کرتی ہے۔ پس فرشتہ کی گفتگو اور حضرت مریم کے حاملہ ہونے میں اتنی مہلت ثابت کرنی کی شاید یوسف سے نکاح ہوا ہو گا اور اس کے نطفہ سے حمل ٹھہرا ہو گا قرآن کے فرمان کے برخلاف ہے اور تحریفِ فرقان اسی کا نام ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

پھر سوچو کہ عورت جب مرد سے ہم بستر ہو جائے تو اس وقت لڑکا پیدا کرنا کوئی مشکل امر نہیں کہ جس کی نسبت کہا جائے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے بلکہ محاورہ دان بخوبی سمجھتے ہیں کہ جو کام سب کی نظروں میں مشکل ہو تو اسی کو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے ہمیشہ کی ہونہار بات کو حق تعالیٰ کیوں کر فرمائے کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔

پھر خان صاحب بہادر کا یہ مقولہ کہ فرشتے نے مریم سے کہا: **کذلک اللّٰہ یخلق ما یشآء** ۔ اسی طرح حضرت زکریا سے کہا تھا کہ **کذلک اللّٰہ یفعل ما یئشا**۔ حضرت مریم سے کہا: **قال کذلک قال ربک ھو علی ھین** ۔ اسی طرح حضرت زکریا سے کہا کہ **قال کذلِک قال ربک ھو علی ھیِن.** انتہی۔

خان صاحب بہادر کی ساری کارروائی کو باطل کر رہا ہے یعنی بحکم قرآن و انجیل ثابت ہے کہ حضرت زکریا نے لڑکے کے واسطے دعا کی تو حق تعالیٰ نے قبول فرمائی، تب حضرت زکریا نے عرض کی: خداوندا! میرا لڑکا کیوں کر ہو گا حالاں کہ میری عورت بانجھ اور اٹھانوے برس کی عمر میں ہے اور میں بھی نہایت درجہ بڑھاپے کو پہنچا ہوں یعنی ایک سو بیس برس کا ہوں۔ تو اس استبعاد کے دُور کرنے کو فرشتے نے کہا: تیرا رب فرماتا ہے: **ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ** یہ کام یعنی پیرزال بانجھ اور بڑے بوڑھے مرد

کے گھر میں لڑکا دینا مجھ پر آسان ہے، ایسا ہی خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے یعنی گو وہ لوگوں کی نظروں میں محال اور مشکل ہو۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت مریم کے استبعاد کے دُور کرنے کو بھی اشارہ ہوا کہ یہ کام یعنی بدون چھونے مرد کے لڑکا دینا مجھ پر آسان ہے اور خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے تو یہ دونوں امر یعنی حضرت زکریا اور مریم کو لڑکا دینا معجزے کے رو سے ہوئے۔ حسب فطرتِ انسانی محال اور مشکل تھے تو اس باہم متناسب ہونے سے بہ اقبال خان صاحب بہادر واقعی بات ثابت ہوگئی یہ بھی ایک معجزہ ہے نبیوں کا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پاس خاطر ایک منکر شدید کی زبان وقلم سے کلمہ حق نکلوا دیا۔ فللّٰہ الحمد۔

اور **قال ربک** اور **ھو علی** کے درمیان حرف واؤ کا لکھنا یعنی قرآن میں زیادتی کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ سابق میں **و لم یمسسنی** سے حرف واو کو کم کر دیا تھا، یہاں پر حرف واو بڑھا دیا ہے۔ یہ ان کا مایۂ علمی ہے۔

قولہ: کُنْ فَیکونُ سورہ آل عمران میں سے وہ کسی کے امر ہونے پر بلا اسباب قدرتی وفطرتی کے دلالت نہیں کرتا کیوں کہ ہر شے کے ہونے کو خدا اسی طرح فرماتا ہے :

اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اِنَّمَا یَقُوْلُهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o

پس ہر شے کن کے حکم سے ہمیشہ قانونِ قدرت اور قاعدہ فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ پس یہ الفاظ کسی طرح اس بات پر کہ حضرت مسیح کی ولادت فی الفور خلاف قاعدہ فطرت اور بغیر باپ کے ہوئی تھی دلالت نہیں کرتی۔ (ص:۳۳)

اقول: خدا کرے بے علم کوئی نہ ہو۔ اور باوصف بے علمی کے علمی باتوں میں دخل دینا اپنا جہل مرکب ظاہر کرنا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ معجزہ کی رو سے جو شے پیدا ہوتی ہے اس کو کوئی بھی اہل علم سے بلا اسباب قدرتی وفطرتی نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ وہاں پر بھی کوئی نہ کوئی سبب اسبابِ قدرتی وفطرتی سے ہوتا ہی ہے بلکہ خود قدرتِ الٰہیہ کو بھی سبب کہہ سکتے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو پیدا کرتا ہے بلا سبب کچھ نہیں پیدا ہوتا دیکھا ہے، سو یہ دعوی بھی باطل ہے، کیوں کہ اول جب عدمِ محض سے قادرِ مطلق نے حیوانات از قسم مادہ ونر یعنی آدمی، گائے، بکری، بھینس، مکھی، چیونٹی، سانپ وغیرہ مخلوقات علوی وسفلی جو اول ہی پیدا کیے تھے تو کون ان کا سبب اور ماں باپ تھا جس سے وہ پیدا

کیے گئے تھے اس وقت تو سوائے ذات خالق البریات کے کچھ بھی نہیں تھا۔ پس جس نے پہلے پہل بلا توسط اسباب سب کچھ بنا دیا تو اب جب دنیا عالم اسباب موجود ہو گئے اور اسباب مہیا ہو گئے پھر بھی وہی خالق الکل اپنی قدرتِ کاملہ دکھلانے یا کسی کو **آیة للناس** بنانے کے واسطے احیاناً بلا سبب ظاہری پیدا کر دے تو کسی اہل عقل کے نزدیک مستبعد یا غیر ممکن نہیں ہوگا بلکہ سب دین دار ذی شعور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو خالق اسباب ہے اور اسباب سے پیدا کرتا ہے وہ بلا سبب بھی پیدا کرنے پر طاقت رکھتا ہے: **يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ .**

ولنعم ما قيل :

ازسبب سازیش سوفسطائیم   درسبب سوزیش من سودائیم

ہر چند کوئی دلیل نقلی اس پر قائم نہ ہوئی تاہم عقلاً اس پر یقین آ سکتا تھا اور جب نقلی دلائل بخوبی موجود ہوں تو انکار کرنا ذوی العقول سے خلاف ہے۔ دوسرا شخص جو چاہے سو کہے۔ اور فقرہ **کن فیکون** جو قرآن کی کئی آیاتِ بینات میں آیا ہے تو اس کا مطلب اہل علم پر روشن ہے کہ وہ تمثیل ہے جلد اور بلا مہلت حاصل ہونے اس چیز سے کہ جس سے ارادہ الٰہی نے تعلق پکڑا ہے ساتھ بلا توقف حکم مان لینے مامور مطیع کے پس اس سے بھی یہی مستفاد ہوا کہ تکوین الٰہی اس بات پر ہی موقوف نہیں بلکہ بلا سبب ظاہری بھی سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے، کیوں کہ اگر اسباب کی حاجت ہو تو صمدیت کے مخالف ہے اور حاصل ہونا فی الفور **ما يتعلق به الإرادة الالهية** کا بھی بلا مہلت متصور نہ ہو اور منافی ہوا **کن فیکون** کے پس یہ الفاظ ناطق ہیں اس پر کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے فی الفور ہو گئی تھی جیسا کہ ایمان داروں کا اعتقاد ہے اور یہ مقولہ خان صاحب بہادر کا کہ ہر شے کے ہونے کو خدا اسی طرح فرماتا ہے:

اذا اراد شيئا انما يقول له كن فيكون.

پس ہر شے کُن کے حکم سے ہمیشہ قانونِ قدرت اور قاعدہ فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ انتہی

سراسر غلط ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کن کے لفظ کے حکم سے کسی شے کو پیدا نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ شے سے مراد یا موجود یا معدوم پس موجود کو کن کا حکم کرنا تحصیل حاصل عبث ہے اور معدوم قابل خطاب نہیں ہوتا تو مراد کن فیکون سے وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں یعنی بلا مہلت حاصل ہونا ما

يتعلق به ارادة الله سبحانه کا مثل بلاتوقف اطاعت کرنے مامور مطیع کے۔

اور یہ آیت **اذا اراد شیئا انما یقول له کن فیکون** جو خان صاحب بہادر نے لکھا ہے سارے قرآن میں الحمد سے والناس تک نہیں ہے، ہاں سورۂ یٰسین کے اخیر **اِذَا اَرَادَ شَیْـئًـا اَنْ یَّقُـوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** ہے جس کو خان صاحب بہادر نے تحریف کر کے **انـمـا یقول له** خانہ ساز آیت بنا دی ہے۔

نیز جب **انـمـا** جزائے شرط واقع ہوا ہے تو قرآن میں اس پر کلمہ فا آیا ہے جیسا کہ پہلے سیپارہ کے چودھویں رکوع اور تیسرے سیپارہ کے تیرھویں رکوع اور سولھویں سیپارہ کے چوتھے رکوع اور چوبیسویں سیپارہ کے گیارھویں رکوع؛ ان چاروں موقعوں میں **فـانـمـا یقول له کن فیکون** ہے اور بہ اعتبار قاعدہ نحو کے بھی جو نحوی **انـمـا** کے مدخول کو جملہ اسمیہ جانتے ہیں ان کے نزدیک اس فا کا آنا واجب اور لازم ہے۔ اور مضارع مثبت پر ہی فا کا آنا مستحسن ہے۔ پس ایسے کلام مخالف مقتضائے مقام کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سخت جہالت ہے اور قائل کی بے علمی پر تمام تر دلالت ہے۔

قولہ: **آية للناس** کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بہ طور ایک نشانی معجزہ پیدا کیا تھا محض بے جا ہے۔ اس لیے کہ بے باپ کے پیدا ہونا (اگر بالفرض ہوا بھی ہو) ایسا امر مخفی ہے جو کسی طرح (آیۃ للناس) نہیں ہوسکتا۔ (ص:۳۴)

اقول: آیت کے معنی لغت کی رو سے علامت کے ہیں پس **و لـنـجـعـلـه آية للناس** سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بن باپ کے پیدا کر کے لوگوں کے لیے اپنی کمال قدرت پر علامت اور نشان بنایا ہے اور اس آیۃ للناس کو مخفی امر بتانا مشہورات اور متواترات سے انکار کرنا ہے۔ ساری عوام اور علما کی زبانوں پر مذکور اور کتابوں میں مسطور ہے کہ حضرت مریم کو بدون شوہر کے لڑکا ہوا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے قرآنِ مجید میں یہ حکایت فرمائی ہے :

اِنِّـیْ قَـدْ جِـئْـتُـکُـمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ –الی– **اِنَّ فِی**

ذٰلِکَ لَآیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ o (سورۂ آلِ عمران:۳/۴۹)

یعنی حضرت مسیح نے بنی اِسرائیل سے فرمایا کہ میں خدا کی طرف سے اپنی راستی پر علامت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں مٹی سے پنکھی کی صورت بنا کر اس میں پھونکتا ہوں وہ اُڑ جاتا ہے خدا کے حکم سے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے اور تم کو بتا دیتا ہوں جو کھا کر آئے ہو اور جو گھر میں ذخیرہ گھر میں رکھتے ہو بے شک تمہارے لیے علامت ہے یعنی میری راستی پر اگر تم ایمان دار ہو۔

یہ ترجمہ ہے آیاتِ قرآنی کا سورۂ آلِ عمران سے جہاں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا ذکرِ خیر ہے۔ پس اب قرآن سے ثابت ہوا کہ آیت کے معنی معجزہ کے ہیں جو علامت صدق اس نبی کا ہوتا ہے جس سے بحکم خدا ظاہر ہو۔ پس حضرت عیسیٰ کا بن باپ پیدا ہونا بھی ان کا معجزہ ٹھہرا ایمان داروں کے واسطے اور بے ایمان خواہ انکاری ہے پڑے کریں۔

قولہ: **بکلمة منه** کے الفاظ یا **کلمته القاها الی مریم** کے الفاظ بھی کسی طرح بن باپ کے پیدا ہونے پر دلالت نہیں کرتے۔ (ص:۳۴)

اقول: **بکلمة منه** کو الفاظ کہنا اور رو **لم یمسسنی بشر و لم اک بغیا** کو لفظ بولنا خان صاحب بہادر کی دانش مندی کی دلیل ہے۔ اب جن الفاظ قرآن کو وہ کہتے ہیں کہ یہ بن باپ کے پیدا ہونے پر دلالت نہیں کرتے، فقیر انھیں سے ثابت کر دکھاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ پہلے الفاظ **بکلمة منه** کے واقع میں اس آیت کریمہ میں کہ

وَ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عَیۡسَی بۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡھًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ o

یعنی جب کہا جبریل نے: اے مریم! بے شک اللہ تجھے مژدہ دیتا ہے ساتھ کلمہ کے اپنی طرف سے یعنی فرزند کے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں صاحب جاہ اور مقربین درگاہ سے ہے۔

پھر اس آیت کے بعد حضرت مریم کے اِستبعاد کا ذکر ہے کہ

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ .

پھر اس کے جواب میں فرمایا :

کذلکَ

یعنی مثل اس فرزند کے جو تجھے بن باپ پیدا ہوگا۔

اللّٰہُ یخلُق ما یشاءُ

خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اذا قضٰی امرًا.

جب ارادہ کرتا ہے کسی کی پیدائش کا۔

فانمَا یقوْلُ لہٗ کنْ فیَکونُ o (سورۂ آل عمران:۳/۴۷)

یعنی بے شک اس کے ارادہ پر وہ شے جلد پیدا ہو جاتی ہے۔

پس اب عاقل دین دار پر بخوبی روشن ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے **بکلمة منه** کی تفسیر **اسمه المسیح عیسی بن مریم** فرمائی اور عیسیٰ کو ماں کی طرف منسوب کیا، حالاں کہ عرب کے محاورہ میں ہمیشہ بیٹے کو باپ کی طرف نسبت کرتے ہیں تو کلمة یعنی فرزند کو اول خدا کی طرف سے کہنا پھر ابن مریم بتانا پھر حضرت مریم کے بن باپ فرزند ہونے کی استبعاد کو دُور کرنا اور اپنی کمال قدرت کا اظہار فرمانا پوری پوری دلالت کرر ہا ہے کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے، خواہ خان صاحب بہادر اپنی زبان سے انکار ہی کرتے جائیں۔

اب فقرہ **کلمة القاها الی مریم** کا حال سنو کہ وہ اس آیت اخیر سورۂ نسا میں واقع ہے کہ

یٰاَهْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِنْهُ o (سورۂ نساء:۴/۱۷۱)

یعنی اے اہل کتاب! حد سے نہ بڑھو اپنے دین کی بات میں اور نہ بولو اللہ پر مگر سچی بات۔ مسیح تو عیسیٰ بن مریم ہی ہے، خدا کا رسول اور اس کا حکم جو ڈالا طرف مریم کی اور

روح ہے اس سے یعنی خدا کی طرف سے۔

جب نصاریٰ نے حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کے سبب خدا کا بیٹا کہہ دیا تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو فرمایا کہ مسیح کی تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو اور خدا کی شان کو بٹہ نہ لگاؤ، عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں ہے مریم کا بیٹا ہے، خدا کا رسول ہے، خدا کا حکم ہے، مریم کی طرف ڈالا جس سے عیسیٰ پیدا ہوا یعنی بن باپ خدا کے حکم سے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ بہت سے نبیوں کے ذکر قرآن مجید میں ہیں کسی کے بارے میں حق تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ **و کلمته القاها الی ام موسی او الی ام مریم** مثلاً پس حضرت مریم کا **و کلمته القاها** سے منسوب فرمانا دلالت کرتا ہے اس پر کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے اور کسی کا انکار کسی شمار میں نہیں ہے۔

قولہ: سورۂ مریم میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ان سے بن باپ کے پیدا ہونے کا اشارہ پایا جاتا ہے مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت مریم کے رؤیا کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے انسان کی صورت دیکھی جس نے کہا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تم کو بیٹا دوں اس کے بعد جو کچھ بیان ہوا ہے اس پر فی تعقیب کی آئی ہے جیسے کہ **فحملته ، فاجاء ها المخاص** مگر اس فی سے اتصالِ زمانی مستنبط نہیں ہوسکتا جیسے کہ مثال مذکور بالا سے ظاہر ہے، کیوں کہ ان کے حاملہ ہونے اور دردِ زہ پیدا ہونے میں اتصال زمانی نہ تھا۔ (ص:۳۵)

اقول: قصہ حضرت مریم واقعہ سورۂ مریم کو رؤیا یعنی خواب کا واقعہ بیان کرنا قرآن سے منکروں کا کام ہے۔ دیکھو سورۂ مریم میں ابتداے قصہ حضرت مریم کے :

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتَابِ مَرۡیَم .

یعنی یاد کرو قرآن میں قصہ مریم کا۔

اور اس سے پہلے **ذِکۡرُ رَحۡمَةِ رَبِّکَ عَبۡدَهٗ زَکَرِیَّا** آیا ہے۔

پھر اسی سورہ میں ہے :

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتَابِ اِبۡرَاهِیۡم اور **وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتَابِ مُوۡسٰی** اور **وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتَابِ اسۡمٰعِیۡل** اور **وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتَابِ اِدۡرِیۡس .**

اور علی ہذا القیاس دوسری جگہ بھی قرآن شریف میں جو نبیوں کے قصے مذکور ہوئے ہیں تو ایسا ہی فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ ص میں آیا ہے :

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ اور **وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ** اور **وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ .**

تو ان سب بزرگ وار کے حالات واقعی و واقعات نفس الامری و بیداری کا قرآنِ مجید میں ذکر آیا ہے جیسا کہ سب اہل اسلام سے بڑھ کر سارے اہل کتاب کا اسی پر اتفاق ہے مگر خان صاحب بہادر جو قصہ واقعی بیداری حضرت مریم کو خواب سے تعبیر کرتے ہیں تو انھوں نے تمام قصص قرآنی کو خواب اور خیال ہی مقرر کر چھوڑا ہے۔ **اعوذ باللّٰہ من الحور بعد الکور .**

راہِ حق تو یہ ہے کہ خواب کی تعبیر بھی بحکم قرآن راست ہوتی ہے وقوع میں آجاتی ہے اور ان خان صاحب بہادر نے تو قرآنِ مجید کو معاذ اللہ محض مجاز اور لغز چیستان مقرر کر چھوڑا ہے جیسا کہ اس رسالہ کے ناظرین کو اس پر یقین حاصل ہوسکتا ہے، لیجیے دُور نہ جایئے اس نئے مفسر نے آیت **فتمثل لھا بشرا سویا** سے عالم مثال نکال کر خواب کی بات قرار دے دی ہے جس پر اطفال صرف خواں بھی دل کھول کر ہنسیں گے کہ کہاں لفظ مثال جس سے عالم مثال یعنی خواب مراد رکھا ہے اور کہاں باب تفعُّل مجرد کے معنی مرادی لے کر مزید فیہ میں بھی وہی معنی مستعمل کرنے سخت بے علمی ہے اور بعینہٖ یہ واقعہ ویسا ہے جیسا کہ لنگوٹی پوش داڑھی مونچھ منڈانے کی دلیل **کلا سوف تعملون** بیان کیا کرتے ہیں۔ غور کرو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا .

اور بعد اس کے کلمہ حصر سے آتا ہے :

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلَامًا زَكِيًّا ○ (سورۂ مریم:۱۹/۱۹)

اور خان صاحب بہادر اس کو خواب اور خیال میں منحصر کر رہے ہیں، قرآن شریف کو چیستان بنانا نہیں تو اور کیا ہے۔ **و کفی باللّٰہ العزیز منتقما.**

اور خدا شاہد ہے — **و کفی باللّٰہ شھیدا** — کہ فقیر نے جو کچھ لکھا ہے اور لکھ رہا ہے قرآنِ محفوظ کی حمایت اور دین متین اور انبیاے مرسلین کی نصرت کی رو سے ہے **ابتغاء لمرضات اللّٰہ**

فی الدارین و طلبا لشفاعة سید المرسلین فی الملوین صلوة اللّٰه و سلامه علیه وإخوانه و عترته أجمعین .

باقی رہا یہ دعویٰ کہ **فحملته، فاجاء ها المخاض** پر فی تعقیب کی آئی ہے اور اس فی سے اتصال زمانی کا مستنبط نہیں ہوسکتا ۔ انتہی ۔

سو یہ بھی محض باطل اور بلا دلیل ہے ۔ طالب علم شرح مائۃ عوامل اور ہدایۃ النحو خوان بھی جانتے ہیں کہ فا عاطفہ ترتیب بلامہلت کے واسطے ہوتی ہے ۔ کافیہ کی شرح میں عارف جامی لکھتے ہیں :

و الفاء للترتیب أی للجمع مع الترتیب بغیر مهلة . انتهی.

مختصر معانی میں ہے :

فالثلث تشترک فی تفصیل المسند إلا ان الفاء تدل علی التعقیب من غیر تراخ و ثم علی التراخی وحتی مثل ثم الخ. انتهی.

اور ایسا ہی مطول میں لکھا ہے ۔

اور اتقان فی علوم القرآن میں فا کی تین قسم ترتیبیہ، تعقیبیہ، مسببیۃ لکھ کر تصریح کی ہے کہ فا تعقیبیہ میں تراخی نہیں ہوتی ہے ۔

پس خان صاحب بہادر کا فا تعقیبیہ میں اتصال زمانی کا انکار کرنا نہایت بے علمی کی دلیل ہے جس کو فا اور فی کے لکھنے میں تمیز نہ ہو بعینہٖ فا عاطفہ کو بہ صورت فی جاریہ تحریر کرے تو اس کو ان حروف کے معانی پہچاننے کی کب اِستعداد ہوگی ! ۔

حکایت کرتے ہیں کہ ابی علی فارسی ایک شخص کا شہرۂ علم سن کر اس کی ملاقات کو آئے، اس کے پاس ایک ورق لکھا پڑا تھا، ابی علی نے اس کی چند سطریں پڑھ کر پوچھا کہ یہ کس کا لکھا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا لکھا ہوا ہے ۔ تو ابی علی بولے: الف کو آپ نے بہ صورت یا لکھا ہے، میں تو تمہارے فضل وکمال کو سن کر آیا تھا افسوس میرا وقت ضائع ہوا کہ ایسے بے تمیز کے پاس آیا فوراً اپنے مکان کو واپس آئے ۔

فقیر کہتا ہے کہ اگلے وقتوں میں ایسے شناس تھے اب ایسے لوگ جو الف اور یا میں تمیز نہیں کرتے وہ مہدیِ ثانی بن کر قرآن مجید کی تفسیریں لکھ کر پہلے سب مفسرین کی غلطیاں نکالتے ہیں اور

خودحرفوں کے نام لکھنے اور معنی بیان کرنے میں پامالِ اطفال ہورہے ہیں۔

پھر عجب تر یہ ہے کہ اس زمانے کے اُردوخوان جو تقییداتِ شرعیہ کو ناپسند کر کے ملحدانہ چال مرغوب جانتے ہیں اور ایسا ہی بعض نام کے مولوی دنیاوی لالچ میں مبتلا ہو کر اس کی تفسیر کو نہایت دل پذیر اور ناسخ تفاسیر جان کر اس کے پڑھنے پڑھانے چھپوانے میں کوشش کر رہے ہیں۔ و **سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون .**

اور یہ دعویٰ کہ ان کے یعنی حضرت مریم کے حاملہ ہونے اور دردِ زہ شروع ہونے میں اتصالِ زمانی نہ تھا، انتھی، باطل ہے اور اس سے زیادہ ہم اس کے باطل ہونے کی وجہ کیا لکھیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے کلمہ فا جو تعقیب بلا مہلت کے واسطے موضوع ہے اس پر داخل فرمایا ہے۔ جس سے اہل ایمان کو ایقان ہے کہ ان کے حاملہ ہونے اور دردِ زہ شروع ہونے میں بلاشبہ اتصالِ زمانی تھا۔

لوقا کی انجیل سے جو خان صاحب بہادر نے جننے کے دن سے پورے ہونے کے فقرہ سے مدتِ حمل نو مہینے نکالی ہے غلط ہے، کیوں کہ اس کے آگے لکھا ہے کہ فرشتے نے اسی روز بشارت دی اور اسی روز لڑکا پیدا ہو۔ ااور تفسیر کبیر وغیرہ کی روایات کا حال ہم لکھیں گے کہ خود صاحب تفسیر کبیر نے ان کو مخالف الفاظ قرآن بیان کیا ہے۔

قولہ: اس بات کے سمجھنے کے بعد آیات سورہ مریم پر غور کرنا چاہیے کہ جب حضرت مریم نے اپنی رؤیا میں انسان کو دیکھا تو انہوں نے کہا :

اِنِّی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا

اس نے کہا :

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلاَماً زَکِیًّا .

حضرت مریم نے کہا :

اَنّٰی یَکُوْنُ لِی غُلاَمٌ وَ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا .

اس نے کہا :

کَـذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّ لِنَجْعَلَہٗ اٰیَةً لِلنَّاسِ ورَحْمَةً مِنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا.

اس کے بعد ہے :

فَحَمَلَتْهُ پس اس حرف فی سے جو حملتہ پر ہے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بہ مجرد اس گفتار کے حضرت مریم حاملہ ہوگئی تھیں بلکہ پایا جاتا ہے کہ اس گفتگو کے بعد کسی زمانۂ مابعد میں وہ حاملہ ہوئیں جس وقت کی یہ گفتگو ہے بلا شبہ حضرت مریم کو کسی بشر نے نہیں چھوا تھا لیکن اس کے بعد ان کا خطبہ یوسف سے ہوا اور وہ حسب قانون فطرت انسانی اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہوئیں ۔ (ص: ۳۵، ۳۶)

اقول: ان آیات سے ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوے اور رؤیا کا جواب بھی اوپر لکھا گیا ہے اور فاے **فحملته** اور **فاجاء ها المخاض** سے حسب موضوع لہ اس کے متحقق ہو چکا ہے کہ بہ مجرد اس گفتگو کے حمل اور دردِ زہ ہونے لگ گیا تھا ۔

اور اس امر کا قائل ہونا کہ حضرت مریم کا بعد اس گفتگو کے یوسف سے خطبہ ہوا اور وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہوئیں ۔ انتہی ۔ قرآن کے فرمان سے انکار کرنا اور نبی برحق کی شان والا کا اِنتقاص کرنا اور حضرت مریم کی عفتِ کلیہ میں خلل ڈالنا ہے جس کی نسبت خداے عظیم کے روبرو حساب دینا اور عذابِ الیم میں گرفتار ہونا پڑے گا :

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو میگویم　　　تو خواہ پندازان در پذیر خواہ ملال

و اللّٰه هو الهادي إلى الصراط المستقيم .

رہا یہ کہ خان صاحب بہادر نے جو **انی اعوذ بالرحمن** کی جگہ **اعوذ باللّٰہ** لکھا ہے تو یہ تحریف قرآنی ہے ۔ ہمیشہ تحریف معنوی کرتے کرتے اس جگہ تحریف لفظی بھی کر دی ہے ۔

قولہ: اسی طرح **فاتت به قومها تحمله** کی 'فی' کا حال ہے کہ وہ ولادت کے زمانہ سے متصل نہیں ہے بلکہ امر ولادت کے بعد کسی زمانہ میں واقع ہوا ہے ۔ تفسیر ابن عباس میں لکھا ہے کہ ولادت کے چالیس دن بعد یہ واقع ہوا ۔ اور ابو القاسم ملکی کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ جوان کے ہونے کے قریب تھے جب یہ واقعہ ہوا تھا ، چناں چہ تفسیر کبیر کی یہ عبارت ہے الی قولہ غرضے کہ علماے مفسرین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تکلم حضرت عیسیٰ ولادت کے متصل نہ تھا ۔ (ص: ۳۶)

اقول: جیسا کہ حال فاے **فحملته** اور **فاجاء ها المخاض** کا ہے کہ اس میں ترتیب اور تعقیب بلا مہلت ہوتی ہے ویسا ہی حال ہے فاے **فاتت به قومها تحمله** کا ہے ۔ اگر پہلی اسناد

سے بہ سبب کسی قدر دُور ہونے کے غفلت ہوگئی ہو تو اور بھی سن لیجیے۔

کافیہ کی شرح غایۃ التحقیق میں لکھا ہے :

و الفاء للترتيب مع الوصل و ثم مثلها اى مثل الفاء فى الترتيب لكن بمهلة . انتهى.

مطول میں بعد ذکر واؤ وفا وثم لکھتے ہیں :

فهذه الثلثة مشترك فى تفصيل المسند و تختلف من جهته ان الفاء يدل على ان ملابسة الفعل للتابع بعد ملابسته للمتبوع بلا مهلة و ثم كذالك مع مهلة وحتى مثل ثم إلا أن فيه الخ. انتهى.

غور کرو کہ تمام علمائے نحو و معانی و اصول متفق ہیں اس پر کہ فا کے تابع اور متبوع میں اتصال ہوتا ہے اور خان صاحب بہادر اس اتصال کے منکر ہیں، مگر بے شک قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جب حضرت مریم کو دردِ زہ لگی تو انہوں نے اس فکر سے کہ بن شوہر جو بچہ پیدا ہوا تو لوگوں میں سخت رسوائی ہوگی کہا: کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور نسیا منسیا ہوتی جیسا کہ اس قدر لکھا گیا ہے تو اس حالت میں ان کے نیچے سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بہ قول اقرب الی الصواب یا جبرئیل امین نے آواز دیا کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے چشمہ پیدا کیا ہے اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ کو اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں پس کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ سو جب تو دیکھے کسی آدمی کو تو کہہ: میں نے نذر مانی ہے خدا کے واسطے روزہ پس آج کے دن ہرگز کسی سے کلام نہ کروں گی۔ کذا فی موضح القرآن۔ یہ ترجمہ ہے آیات قرآن کا جن میں حضرت عیسیٰ کے پیدا ہوتے ہی بات چیت کرنے کا اور چشمہ نکلوا دینے اور تنۂ کھجور سے پکی کھجوریں اتروا دینے کا بہ شہادت قرآن مجید معجزہ ظاہر ہے۔

پھر بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمُهَا تَحْمِلُهٗ

یعنی پس لائی اس کو اپنی قوم کے پاس گود میں لے کر

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

لوگوں نے کہا: اے مریم! تو بری چیز لائی یعنی بن شوہر بچا جن لائی۔

یٰاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ وَ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا .

اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تھی تیری ماں زانیہ یعنی تو اچھے خاندان کی لڑکی تھی یہ اچنبا بن باپ لڑکا کہاں سے لے آئی۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ .

پس مریم نے اشارہ کیا طرف اس کے یعنی حضرت عیسیٰ کے

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا.

بولے: کیوں کر بات کریں ہم اس سے جو گود میں ہے لڑکا۔

تب حضرت عیسیٰ نے ان کو یہ جواب دیا جو باری تعالیٰ نے ان سے حکایت فرمائی ہے:

قَالَ اِنِّي عَبْدُاللّٰهِ آتٰنِيَ الْكِتٰبُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا o

(سورۂ مریم: ۱۹/ ۲۸ تا ۳۳)

اب اس قصہ میں غور کرنے سے بحکم الفاظ قرآن مجید یہ معجزہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی والدہ کی گود میں کلام فرما کر اپنے تئیں خدا کا بندہ بہت نیکوں کا بلکہ نیکو کا رسردار بنا کر اپنی والدہ شریفہ سے لوگوں کا طعنہ دُور کیا کیا معنی کہ نطفہ حرام سخت بدکار رہوا کرتا ہے۔

خان صاحب بہادران تمام آیات کو درمیان سے اُڑا کر صرف **فاتت به قومها تحمله** کا ایک فقرہ آیت لکھ کر پھر اس کے بعد میں کئی آیتوں کو حذف کر کے حضرت عیسیٰ کے کلام کرنے کے باب میں تفسیر ابن عباس اور تفسیر کبیر سے نقلیں لکھنے لگے اور اخیر میں اس کا نتیجہ نکالا کہ علمائے مفسرین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تکلم حضرت عیسیٰ ولادت کے متصل نہ تھا۔ سو فقیر کہتا ہے کہ اس میں خان صاحب بہادر نے بہت سی غلطیاں کی ہیں:

پہلی غلطی یہ ہے کہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کوئی بھی تفسیر نہیں ہے اور یہ تو مشہورات و مقررات سے ہے کہ صحابہ کرام کے زمانِ سعادت نشان میں کوئی تصنیف نہیں ہوئی۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ خان صاحب بہادر اپنے آپ کو مجتہد جانتے اور مفسرین محدثین وغیرہم سب کی غلطیاں نکالتے ہیں۔ اب اس جگہ تفسیروں کی طرف کیوں رجوع لائے، اپنی ہوا کے حکم سے کیوں نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ نے تکلم فی المھد جیسا کہ منصوص قرآنی ہے ہرگز نہیں کیا جس طرح اپنے خیالاتِ نفسانی سے حضرت عیسیٰ کو خلاف حکم قرآن کا یوسف کا بیٹا بنا رہے ہیں۔ واللہ عزیز ذو انتقام۔

تیسری غلطی یہ ہے کہ تفسیر کبیر سے اول نقل کیا کہ یہ کلام کرنا حضرت مسیح کا نزدیک جمہور کے صغر سنی میں یعنی والدہ کی گود میں واقعہ ہوا پھر ابوالقاسم بلخی کے قول کو کہ یہ کلام کرنا قرب بلوغ کے تھا نقل کر کے بعد اس کے جو صاحب تفسیر کبیر نے اس قول کو بدیں عبارت رد کیا ہے :

اما قول ابی القاسم البلخی فبعید و ذالک لان الحاجة الی کلام عیسی عند وقوع التھمة علی مریم علیھما السلام .

ہضم کر گئے اب سخت پاسداری سخن کی خان صاحب بہادر کی عادت ہونے کا کمالِ یقین ہوا کہ ایک تفسیر کی سند سے اسی تفسیر کے مردود قول کو اپنی دلیل بنا لیا اور اس میں سرقہ کیا۔

چوتھی غلطی یہ ہے کہ صاحب تفسیر کبیر نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کو کہ مدت حمل کی ایک ساعت تھی دو وجہ سے بحکم قرآن مستند کیا ہے: اول یہ ہے کہ فاے **فحملته فانتبذت به، فاجاء ها المخاض، فناداها من تحتها** سے جو تعقیب بلا فصل کے واسطے سے ثابت ہے کہ مدت حمل کی ایک ساعت ہی تھی۔

دوم یہ کہ آیت **ان مثل عیسی عند اللّٰه کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون** سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش **کن فیکون** سے ہوئی ہے جس میں مدت حمل معتاد کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ وہ مدت اس حمل میں متصور ہے جو نطفہ سے ہی ہو۔

چناں چہ یہ مضمون تفسیر کبیر کی پانچویں جلد کے ص ۷۸۴ میں موجود ہے۔ تو اس قول کو جو قرآن سے مستند ہے خان صاحب بہادر اپنی زبان سے جھوٹ اور خلاف کہتے جاتے ہیں اور جھوٹی اور مخالف قرآن کی باتوں کو سچ مچ بناتے آتے ہیں۔ **واللّٰه یحق الحق وهو خیر الفاصلین .**

اب اس روایت تفسیر کبیر سے وہ روایت کہ مدت حمل کی نو مہینے تھی جس کو خان صاحب نے

انجیل لوک کی روایت کے بعد نقل کیا تھا اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ حال اس کا آگے لکھیں گے باطل ہو گئی، کیوں کہ وہ قرآن کے برخلاف ہے جب خان صاحب بہادر نے ایک دو تفسیروں کی سند سے اپنے خیال سے اپنا مطلب ثابت کرنا چاہا حالاں کہ کچھ بھی ثابت نہ ہوا، تو اب ہم بھی ایک دو تفسیروں سے قولِ حق کی تائید کریں تو کچھ مضائقہ ہوگا۔ اتقان فی علوم القران میں لکھا ہے :

عیسی بن مریم بنت عمران خلقه اللّٰه تعالى بلا اب . انتهى .

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ السلام کو بن باپ پیدا کیا۔

علامہ محمد طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں نووی شرح صحیح مسلم اور طیبی شرح مصابیح سے لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ کے نام سے موسوم ہوئے، اس لیے کہ کلمہ کن سے بن باپ پیدا کیے گئے یا اس لیے کہ انھوں نے لڑکپن یعنی والدہ کی گود میں کلام کی۔ ص ۲۲۷ مطبوعہ نول کشوری۔

اور تفسیر معالم التنزیل و کبیر وغیرہما میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی والدہ کی گود میں دودھ پی رہے تھے جب یہود کی بات سنی کہ ان کی والدہ پر تہمت لگاتے ہیں تو آپ نے دودھ کا پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا :

انی عبداللّٰه – تا – و یوم ابعث حیا .

اب ثابت ہوا کہ علمائے مفسرین بہ دلالت قرآنِ مبین تسلیم کر رہے ہیں کہ تکلم حضرت عیسیٰ ولادت کے متصل تھا۔ فللّٰہ الحمد۔

خان صاحب بہادر کا یہ خام خیال کہ پہلے عقائد فی زمانناکے تعلیم یافتہ لوگوں کو مؤثر نہیں، اب نیا علم کلام چاہیے جو ہم نے لکھا ہے۔ اھ۔ (جیسا کہ خان صاحب بہادر نے اس مضمون کا ایک لیکچر مشتہر کیا ہے۔) تحریف بلکہ نسخ شرع شریف ہے جب اللہ تعالیٰ **الیَومَ اکمَلتُ لکُمْ دینکم .الایة.** فرمادے تو اس دین متین میں تبدیل کرنے والا کب مسلمان کہلائے!۔ ہادی حقیقی ان کو اور ان کے پیروؤں کو راہِ راست پر لائے۔

قولہ: قرآن مجید میں صاف پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ایسے وقت میں ہوا تھا جب حضرت عیسیٰ نبی ہو چکے تھے کیوں کہ آپ نے فرمایا تھا کہ **انی عبداللّٰه اتنی الکتاب و جعلنی نبیا.** تاریخ پر اور انجیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بارہ برس کی عمر تھی۔ دیکھو انجیل لوقا باب

NarseIslam
Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

۲ جب انہوں نے بیت المقدس میں یہودی عالموں سے گفتگو کی۔ الخ۔

اقول: حضرت مسیح ماں کے پیٹ سے نکلتے نبی تھے اور یقیناً یہ گفتگو اسی وقت کی ہے جس پر قرآن مجید صاف صاف شہادت دے رہا ہے اور تفسیروں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے جس میں جی چاہے دیکھ لو خصوص تفسیر کبیر جس سے خان صاحب بہادر بھی سند لاتے ہیں اس کی پانچویں جلد کے ص ۷۹۴ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ لڑکپن میں نبی تھے۔ (ص ۲)

پس ثابت ہوا کہ لڑکپن میں نبی ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور آیت **اٰتٰنِیَ الکتاب و جعلنی نبیا** صاف دلالت کر رہی ہے اس پر کہ حضرت عیسیٰ لڑکپن میں ہی نبی تھے۔ پس واجب ہے کہ ہم اس کو اپنے ظاہر پر جاری رکھیں۔ (ص ۱۸، ۱۹)

اور یہ جو انجیل لوقا سے خان صاحب بہادر نے لکھا ہے کہ یہودی عالموں نے حضرت مریم سے کہا کہ تیرے ماں باپ تو بڑے نیک تھے تو نے یہ کیسا عجیب یعنی بد مذہب لڑکا جنا ہے تب حضرت مسیح کو والدہ اٹھا لائیں تو اس وقت بارہ برس کی عمر میں آپ نے کہا: **انی عبد اللّٰہ اتانی الکتاب. انتھی.** محض جھوٹ ہے۔ اس انجیل کے دوسرے باب میں یہودی عالموں سے بارہ برس کی عمر میں ایسی گفتگو کرنے کا ذکر کوئی نہیں ہے، جس کا جی چاہے انجیل لوقا باب ۲ مطبوعہ مرزا پور ۱۸۷۵ء میں دیکھ لے۔ اور ظاہر کہ خان صاحب بہادر کا انجیل کو اپنی خیالی ممکنات سے رد کر دیا ہے تو اس کی بات کے مردود ہونے میں کیا شک ہے غرض کہ علمائے مفسرین کی تسلیم وغیرہ جو کچھ لکھا ہے سب غلط ہے کسی عبارت اور مضمون میں خان صاحب بہادر سرقہ کر دیتے ہیں کسی کتاب کی طرف جھوٹا حوالہ لکھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عقل سلیم نصیب کرے۔

قولہ: قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ ایسی عمر میں جس میں حسب فطرت انسانی کوئی بچہ کلام نہیں کرتا کلام کیا تھا۔ قرآن مجید کے یہ لفظ ہیں: **كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا** اس میں لفظ 'کان' کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے سے ہم کیوں کر کلام کریں جو مہد میں تھا یعنی کم عمر لڑکا ہماری گفتگو کے لائق نہیں الخ۔ (ص ۳۷)

اقول: خان صاحب بہادر جیسے خود پسند کم علموں کو خوب خوش کر سکتے ہیں اور اہل منصف مزاجوں کے نزدیک ان کی بات سراسر واہیات اور دھوکہ دہی ثابت ہو رہی ہے۔ دیکھو لفظ **کان**

کے قرآن مجید میں آٹھ معنی ہیں: ماضی منقطع، حال، استقبال، دوام استمرار بمعنی صار، بمعنی ینبغی، بمعنی حدث وجد، تاکید کے واسطے جس کو زائد بھی کہتے ہیں جیسا کہ اتقان فی علوم القرآن میں یہ اقسام مع ان کی مثالوں کے مذکور ہیں۔ اور خاص یہ کان جو **کیف نکلم من کان فی المھد صبیا** میں واقع ہے اس کی نسبت سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ ماضی منقطع کے معنی میں مستعمل نہیں جو معنی خان صاحب بہادر کر رہے ہیں بلکہ تفسیر کبیر اور نیشاپوری اور مدارک اور بیضاوی اور ابوالسعود وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ کان تامہ ہے بہ معنی وجد و حدث کے۔

پس آیت کے معنی یوں ہوئے ہم کیوں کر کلام کریں اس سے جو ماں کی گود میں لڑکا شیر خوار پایا گیا ہے۔ اور صاحب تفسیر کبیر و نیشاپوری نے اسی معنی کو پسند کیا ہے اور محی السنہ قاضی بیضاوی اور مفتی الثقلین ابوالسعود نے اس کان کو واسطے تاکید کے یعنی زائدہ بھی لکھا ہے جس کی رو سے معنی یوں ہوئے: ہم کیوں کر کلام کریں اس سے جو ماں کی گود میں لڑکا ہے شیر خوار۔ اور مفسرین نے جو یہ معنی کیے ہیں تو اس آیت کو دوسری دو آیتوں سے تطبیق دینے کے لیے جو سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ میں ہیں جن میں **نکلم فی المھد** منصوص ہے، اور کان کا لفظ مذکور نہیں اور نہ وہاں گنجائش ہے جیسا کہ اپنے موقع پر ہم آئندہ ان کو لکھیں گے اور خان صاحب بہادر کی ہٹ دھرمی اور ناحق پرستی ظاہر کریں گے۔

قولہ: اور بالفرض حضرت عیسیٰ نے اگر مہد میں کلام بھی کیا ہو تو اس سے ان کے بن باپ کے پیدا ہونے پر کیوں کر اِستدلال ہو سکتا ہے۔

قولہ: اگر اس وقت یہودیوں کی مراد اس سے تہمت بد نسبت حضرت مریم کے اور ناجائز مولود ہونے کے نسبت حضرت عیسیٰ کے ہوتی تو ضرور حضرت عیسیٰ اپنے جواب میں اپنی اور اپنی ماں کی بریت اس تہمت سے ظاہر کرتے۔ (ص ۳۷، ۳۸)

اقول: بالفرض کیا فی الحقیقت اور فی نفس الامر بہ حکم نافذ قرآن حضرت مسیح نے ماں کی گود میں وہ کلام معجز نظام ہدایت فرجام فرمائی جیسا کہ مذکورات ماسبق سے ناظرین با تمکین کو یقین آ چکا ہے اور صرف اس تکلم فی المہد سے کسی نے بھی اہل علم میں سے ان کے بن باپ پیدا ہونے پر استدلال نہیں کیا ہے بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہوا ہے کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے جیسا کہ کچھ ان میں سے اوپر مذکور ہوئی ہیں اور کچھ آئندہ مسطور ہوں گی اور اس وجہ سے کہ یہود مردود نے حضرت

مریم سے جب یہ طعنہ کیا کہ تمہارے والدین تو بدکار نہ تھے تم یہ بری چیز یعنی بن باپ لڑکا کہاں سے لے آئی تو آپ نے جو یہ جواب دیا کہ میں خدا کا بندہ ہوں یعنی وہ خدا جو صاحب کن فیکون کا ہے اور اس پر لڑکا بن باپ پیدا کرنا آسان ہے۔ تو اس سے بھی پایا گیا کہ آپ ضرور بن باپ ہیں۔

نیز یہ تکلم فی المہد جو خرقِ عادت ہے اس نے دلالت کی بن باپ پیدا ہونے پر اس وجہ سے بھی کہ جو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اس کا تکلم فی المہد خلافِ عادت ہے اور جو بدونِ نطفہ کے صرف خدا کے حکم سے پیدا ہوا اس لیے اس پر تکلم فی المہد بھی آسان ہے چنداں مستبعد نہیں ہے۔ اور سارے اہل علم متفق ہیں اس پر کہ یہود مردود نے حضرت مریم پر تہمت لگائی جو قرآن کے طرزِ بیان سے صاف عیاں ہے جس کی بریت کے واسطے حضرت مسیح نے اپنی بخوبی تعریف فرمائی اور ثابت کیا کہ میں جو نبی صاحب کتاب نیک اعمال پسندیدہ چلن چال اپنی والدہ کا فرمان بردارا سے نیکوکار ہوں یعنی وہ والدہ جس نے حق تعالیٰ کی نذر میں مقبول ہو کر بہشتوں کے کھانے کھا کر عبادت الٰہی میں نشو ونما پایا ہے تو ایسے ولد اور والدہ پر تہمت لگانا نرا جاہلوں کا کام ہے جس کو بتصریح جواب دینا اور محل خطاب سمجھنا امر نافرجام ہے کہ جوابِ جاہلاں خاموشی باشد۔ خموشی مع ہذا کنایۃً جوابِ شافی بھی دیا گیا کہ ایسی ماں بیٹا ظاہر اور باطن کے پاک ممکن ہی نہیں کہ بدکار اور مولود ناجائز ہوں اور اہل علم پر بخوبی روشن ہے کہ: الكناية ابلغ من التصريح و التلويح اشد من التوضيح۔

قولہ: نفخ روح حضرت عیسیٰ میں کچھ دلیل ان کے بن باپ ہونے کی نہیں ہوسکتی تمام انسانوں کی نسبت خدا تعالیٰ نے نفخ روح کیا ہے جیسے سورۂ تنزیل میں فرمایا ہے :

خَلَقَ الاِنۡسَانَ مِنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ثُمَّ سَوّٰهُ وَ نُفِخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ .

پس جس طرح کہ اور تمام انسانوں میں اپنی روح نفخ کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ میں بھی کی تھی۔ (ص:۳۹)

اقول: خان صاحب بہادر قرآن مجید کی تحریف لفظی ومعنوی کرتے کرتے اب حد سے بڑھ گئے خوفِ خدا اور حیا کے دشمن ہو گئے۔ دیکھو اس قول میں ایک محض جھوٹے دعوی پر قرآن مجید میں تحریف کر کے سند قائم کر دی ہے، کیا معنی کہ چھٹی آیت سورۂ سجدہ کی ابتدا سے الذی احسن کل

شی خلقه و بدا کو حذف کر کے **خلق الانسان من طین** مصدر مفعول کو فعل ماضی بنا کر اس سے کلام شروع کر دی ہے، پھر ساتویں آیت جس میں نسل آدم کے منی سے پیدا کرنے کا ذکر ہے لکھ کر آٹھویں آیت جس میں خاص حضرت آدم میں نفخ روح اللہ کا بیان ہے، اس کو تمام انسانوں میں نفخ روح اللہ کی دلیل بنا دیا ہے، اس غرض سے کہ جیسے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ میں اپنی روح نفخ کی ہے اسی طرح تمام انسانوں میں خدا تعالیٰ نے اپنی روح نفخ کی ہے تا کہ حضرت مسیح کا کسی طرح سے امتیاز نہ رہے سب آدمیوں سے برابر ہو جائیں، سو یہ بات محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے، کہیں بھی اس امر کا ذکر قرآن میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم میں جو پہلے انسان وہی ہیں اپنی روح کے نفخ کرنے کا اسی آیت میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اور جگہ بھی حضرت آدم کی پیدائش کے قصہ میں آیا ہے :

فاذا سویته و نفخت فیه من روحی .الایة. (سورۂ حجر رکوع ۳)

پھر یہ آیت رکوع اخیر سورہ ص میں بھی موجود ہے جن سے ثابت ہے کہ حضرت ابوالبشر آدم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم میں حق تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی علی ہذا القیاس اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم میں بھی اپنی روح نفخ کر کے حضرت مسیح کو پیدا کیا جیسا کہ سورہ انبیا میں فرمایا ہے :

وَالَّتِیُ أحُصَنَتُ فَرُجَهَا فَنَفَخُنَا فِیُهَا مِنُ رُّوُحِنَا وَجَعَلُنٰهَا وَابُنَهَا آیَةً لِلعٰلَمِیُنَ ٥ (سورۂ انبیاء:۲۱/۹۱)

پھر سورۂ تحریم کے اخیر میں آیا ہے :

وَمَرُیَمَ ابُنَتَ عِمُرَانَ الَّتِیُ اَحُصَنَتُ فَرُجَهَا فَنَفَخُنَا فِیُهِ مِنُ رُّوُحِنَا ٥ (سورۂ انبیاء:۶۶/۱۲)

پس اب اہل علم دین داروں پر روشن ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے کہ حضرت آدم میں اپنی روح نفخ کر کے بن باپ پیدا کر دیا ویسا ہی حضرت مریم میں اپنی روح نفخ کر کے حضرت مسیح کو بن باپ پیدا فرما دیا۔ **فدیتک اللّٰھمَّ** یہ تیرا کس قدر اس فقیر پر عظیم احسان اور عمیم امتنان ہے کہ تیرے مقبولوں کے دشمن جن دلیلوں سے ان کے استخفاف ظاہر کرتے ہیں یہ تیرا نہایت عاجز بندہ انہیں ادلہ سے خاک بدہانِ اعدا کر کے ان کی عزت و توقیر کثیر روشن کر دکھایا ہے۔ سچ ہے کہ اس سچے دین

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

کا خدا خود حافظ **و کفی به حفیظا .**

قولہ: سورۂ آل عمران میں ہے: **ان مثل عیسی عنداللّٰہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون .** اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا مفسرین نے لکھا ہے کہ وفد نجران جب آں حضرت ﷺ کے پاس آیا اور جو حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر دلیل لاتے تھے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے خدا کے بیٹے ہیں اس دلیل کے رد کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونا تسلیم کر لیا ہو، کیوں کہ یہ دلیل بطور دلیل الزامی کے ہے، دلیل الزامی میں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو مقدمہ مخالف نے بیان کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ الخ (ص:۳۹)

اقول: چوں کہ ہم بہت سے ادلۂ قطعیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور اور بیشک حضرت مسیح کو بن باپ پیدا کیا، قرآن مجید اور انجیل میں اس کی خبریں دی ہیں جن سے ایک یہ آیت بھی دلیل ہے کہ اس میں ایک اچنبھا بات یعنی حضرت عیسیٰ جو بن باپ کے پیدا ہوئے تھے ان کی تشبیہ دی گئی ہے ساتھ بہت سی اچنبھا بات کے جو حضرت آدم ہیں بن ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے اور یہ دلیل الزامی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار خبر دی ہے کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے پھر یہ ممکن ہے کہ مہبط وحی اور منزل علیہ قرآن مجید کے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کو تسلیم نہ فرمائیں- حاشا وکلا- بلکہ آپ نے خود اپنے تسلیم فرمانے سے بڑھ کر سب اہل اسلام سے تسلیم کرایا ہے، اور اس تسلیم کو نجاتِ عقبیٰ کے اسباب میں سے ایک سبب مقرر فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہما کی حدیث میں آیا ہے :

> **قال: من شهِد ان لا اِله اِلا اللّٰه وحده و اشهد ان محمدا عبده و رسوله و ان عِیسی عبد اللهِ و رسوله و ابن امتِه و کلِمته القها اِلی مریم و روح مِنه و ان الجنة حق و النار حق ادخله اللّٰه مِن ای ابوابِ الجنةِ الثمانِیةِ شاء .**

صاحب حصن حصین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث سنن نسائی میں بھی اور محی السنہ فی تفسیر معالم التنزیل میں بھی اس کو اخراج کیا ہے، اور مشارق الانوار میں بھی لائے ہیں اور اس کے اخیر یوں ہے کہ اس عقیدہ والا بہشتوں میں داخل ہوگا، خواہ عمل اس کا کیسا ہی ہو۔

اب غور کرو کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت مسیح کے ابن مریم اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ یعنی بن باپ کے پیدا ہونے کے یقین پر دخولِ بہشت موقوف کیا ہے، اور علیٰ ہذا القیاس تکلم فی المہد بھی حضرت مسیح کا مان لیا ہے جیسا کہ صاحب مجمع بحار الانوار نے صحیحین وغیرہما سے حدیث صحیح نقل کی ہے کہ

لم یتکلم فی المهد الا ثلثة عیسی و صاحب جریح و غلام کان یرضع فی حجر امه و مر راکب الخ .

پھر بعد اس کے لکھا ہے کہ حدیث سے ساحر اور راہب کے دونوں شیر خوار لڑکوں کا بھی بولنا ثابت ہے پھر لکھا ہے :

و کذا قالوا انه تکلم ابراهیم الخلیل و ابنته ماشطة و شاهد یوسف و یحیی و مریم علی نبینا وعلیهم السلام مبارک الیمامة حین کلمه النبی ﷺ .

صاحب مجمع البحار نے یہ سارا مذکور زبدہ شرح شفا سے نقل کر کے پھر کرمانی شرح صحیح بخاری سے لکھا ہے کہ جس وقت آں حضرت ﷺ نے حدیث **لم یتکلم فی المهد** کی فرمائی تھی اس وقت تک دوسرے مہد میں بولنے والوں کا آپ کو علم نہ تھا یعنی بعد اس کے دوسروں کا تکلم فی المہد بھی معلوم ہوا۔

فقیر کہتا ہے کہ تفسیر فتح العزیز میں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا تنور آگ میں اپنی والدہ شریفہ سے کلام کرنا بھی لکھا ہے۔ چالیس دن کی عمر میں خان صاحب بہادر صرف حضرت عیسیٰ کے تکلم فی المہد سے منکر تھے اور شرع سے بارہ شخصوں کا تکلم فی المہد ثابت ہو رہا ہے، کتابوں میں مسطور ہے، علمائے کبار کی زبان پر مذکور ہے۔ واللہ ہو الہادی۔

قولہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر جگہ حضرت عیسیٰ کو ابن مریم کہا گیا اگر ان کا کوئی باپ ہوتا تو ان کی ابنیت باپ کی طرف منسوب کی جاتی نہ ماں کی طرف، مگر یہ دلیل نہایت بودی ہے کیوں کہ جب قرآن نازل ہوا تو حضرت عیسیٰ یہود اور نصاریٰ دونوں میں ابن مریم کے لقب سے مشہور تھے، وہی لقب مشہور ان کا قرآن میں بھی بیان کیا گیا، اس سے ان کا بے باپ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (ص: ۴۰)

اقول: خان صاحب بہادر جیسا بہادر آدمی کوئی کم ہوگا کہ جو واہی تباہی بات دل میں آتی ہے زبان سے ہانک دیتے ہیں اور بلا دلیل جھوٹے دعوے ثابت کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح کے ابن مریم بولے جانے سے بن باپ کے پیدا ہونے کو بودی دلیل کہنا اوہن من بیت العنکبوت ہے، جب کہ سارے عرب کا یہی رواج تھا کہ ہر کسی کو باپ کی طرف منسوب کرتے تھے، کوئی بھی آدم سے ماں کی طرف منسوب نہیں ہوا، مرد تو مرد تھے عورتوں میں بھی یہی دستور تھا، چناں چہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَمَرۡيَمَ ابۡنَتَ عِمۡرَانَ الَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا. الاٰية .

پس برخلاف ساری خدائی کے استعمال اور محاورہ کے حضرت عیسیٰ ابن مریم کیوں مشہور ہوئے، ہر عاقل دیندار بھی جواب دے گا کہ ان کا باپ کوئی نہیں تھا جیسا کہ قرآن وانجیل سے ثابت ہے، اس لیے ماں کی طرف منسوب ہوئے۔ غور کرو کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح کا نام نامی اکتیس (۳۱) مرتبہ آیا ہے چودہ (۱۴) جگہ عیسیٰ ابن مریم اور چھ (۶) جگہ مسیح ابن مریم اور دو (۲) جگہ ابن مریم اور ایک (۱) جگہ وابنہا یعنی ابن مریم اور آٹھ (۸) جگہ صرف عیسیٰ فرمایا ہے، اب ہر دانش مند سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح کے باپ نے کیا گناہِ عظیم کیا تھا جس کے نام لینے سے اور حضرت مسیح کو اس کی طرف منسوب کرنے سے حق تعالی بیزار ہے، اور ساری خدائی کے برخلاف ان کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔

پس جب یہ بات (۱) تو کوئی بھی نہیں ہے اور قرآن سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے تو اس پر یہ بھی دلیل قائم ہوگئی کہ آپ ماں کی طرف ہی منسوب ہوئے ہیں، کہیں بھی باپ کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر باپ آپ کا کوئی ہوتا تو کہیں نہ کہیں اس کا ذکر آجاتا، موجودہ شے کا ذکر ہوا ہی کرتا ہے، معدومِ محض کا ذکر کیوں کر ہو اور خان صاحب بہادر کا یہ مقولہ کہ بروقت نزول قرآن کے یہود ونصاریٰ میں آپ ابن مریم کے لقب سے مشہور تھے۔ انتہی

نہایت ہی دینی مسائل سے ناواقفی ہے، کیوں کہ قرآن شریف وقت نزول سے پہلے بلکہ زمین آسمان ارواح سارے جہاں کے پیدا ہونے سے بھی اول لوح محفوظ میں لکھوایا گیا تھا جیسا کہ سورۂ بروج کے اخیر میں ارشاد ہے :

---

(۱) یعنی کہ حضرت مسیح کے باپ نے کوئی گناہ عظیم نہیں کیا جس سے نام ان کا نہ لیا جائے۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ o (سورۂ بروج:۸۵/۲۱)

اور احادیث شریفہ اور اجماع امت اور معتقدات اہل سنت سے بھی یہ امر ثابت ہے، چناں چہ تحقیق اس کی فقیر نے رسالہ ’رجم الشیاطین برد ہفوات البراہین‘ (۱) میں کی ہے، علاوہ ابن مریم جو کنیت ہے اس کو لقب کہنا نہایت کم علمی کی دلیل ہے۔

یہاں پر دو ایک اور بھی دلیل قوی قرآنی حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی لکھی جاتی ہیں پہلے یہ کہ جب آپ نے یہود کے جواب میں اپنی والدہ کی گود میں اپنا نبی اور مبارک اور نماز پوش وغیرہ ہونا بیان کیا جیسا کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اس سے حکایت فرمایا ہے تو اس کے بعد یہ بھی آیا ہے :

وَ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ .

یعنی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے۔

پس اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ حضرت مسیح کا والد کوئی بھی نہ تھا، ورنہ خدانخواستہ آپ والد کے عاق تھے کہ والدہ کے ساتھ نیکی کا ذکر کیا اور والد کو بھول گئے حالاں کہ اس سے اوپر کے رکوع ابتدائے سورۂ مریم میں حضرت یحییٰ کا حال حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ و برا بوالدیہ یعنی اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکوکار تھا۔ پس حضرت عیسیٰ کے باپ کا ذکر نہ آنا اور والدہ کے ساتھ ہی نیکوکار فرمانا صریح تر دلیل ہے اس پر کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے۔ واللہ ہو الہادی الی سبیل الرشاد۔

دوم یہ کہ سورہ مائدہ میں چھٹے سیپارہ کے اخیر میں ہے :

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ o (سورۂ مائدہ:۵/۷۵)

نہیں مسیح بیٹا مریم کا مگر پیغمبر گزر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے۔

دیکھو اس جگہ حضرت مسیح کی والدہ کو ”صدیقہ“ فرمایا ہے اور والد کا ذکر نہیں آیا ہے، اگر وہ صدیق نہ تھا تو جیسا تھا ویسا ہی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ چناں چہ سورۂ کہف میں ہے :

---

(۱) یہ رسالہ رد ہے براہین احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف شرع الہامات کا اور نیز رسالہ اشاعۃ السنۃ کا جس میں ان الہامات کی ناحقہ تائید کی ہے۔

NaraeIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

وَاَمَا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ ٥ (سورۂ کہف:۱۸/۸۰)

یعنی لڑکا پس تھے اس کے والدین ایمان دار۔

یعنی جس کے ماں باپ ہوتے ہیں تو ایسے موقع پر دونوں کا ذکر ہوتا ہے، پس مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کی صرف ماں کا ذکر فرمانا صحیح تر دلیل ہے اس پر کہ ان کا باپ کوئی نہیں تھا۔ کما ہو ثابت من القرآن والانجیل۔

سوم یہ کہ اسی سورہ مائدہ میں :

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ٥ (سورۂ مائدہ:۵/۱۷)

اب اس موقع پر بھی حضرت مسیح اور ان کی والدہ شریفہ کا ہی ذکر ہے، جمال اور جلال دونوں موقعوں پر والد کا مذکور نہیں ہے بلکہ سارے حالات ولادت حیات ممات وغیر ذالک کسی میں بھی والد کا ذکر کا اشارہ تک بھی مذکور نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ آپ کا والد کوئی نہیں تھا اگر ہوتا تو کہیں نہ کہیں مذکور ضرور ہوتا۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ ایسے رشید سعید فرزند کا باپ اور ایسی عفیفہ صدیقہ کا شوہر مبارک کہیں صراحۃً اشارۃً مذکور نہ ہو۔

قولہ اول تکلم فی المہد اس امر کی نسبت سورۂ آل عمران میں ہے :

و یکلم الناس فی المهد و کهلا .

اور سورۂ مائدہ میں ہے :

تکلم الناس فی المهد و کهلا.

اور سورۂ مریم میں ہے:

قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیا .

ان آیتوں میں صرف لفظ مہد کا ہے جس پر بحث ہوسکتی ہے مگر مہد سے صرف صغرسنی کا زمانہ مراد ہے نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ مقتضائے قانونِ قدرت کلام نہیں کرسکتا۔ (ص:۲۳۴)

اقول: ہر دانش مند کو یقین ہے کہ مہد تب تک لڑکے شیر خوار کے لیے ہوتا ہے جب تک وہ اپنے پاؤں سے یا گھٹنوں کے بل نہ چل سکے پھر جب اس کو طاقت چلنے کی خواہ کسی طرح کی ہو

NafseIslam Spreading The True Teachings Of Quran & Sunnah

حاصل ہوتی ہے تو مہد میں نہیں ٹھہرتا، پس اظہر ہے کہ ایسی حالت میں کوئی لڑکا عادتاً بول نہیں سکتا اور جب زمانہ کلام کرنے کا آجائے تو اس وقت کا بولنا کچھ بھی اچنبھا نہیں ہے جس کی بابت حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کو بشارت ہو جیسا کہ آل عمران میں ہے: یا اللہ تعالیٰ اس بولنے کو اپنی عظمیٰ نعمتوں میں شمار کر کے حضرت مسیح پر احسان جتاتے وچناں چہ سورۂ مائدہ میں ہے: تو بالضرور یہ بولنا مہد کا شیر خوارگی کے بھی ابتدا کا مراد ہے جب تک لڑکا اپنے ہاتھ پاؤں سے چل پھر نہیں سکتا اور ماں اس کو اپنی گود سے نہیں اتارتی ہے، اس لیے ان دونوں جگہوں میں موضح القرآن میں **مهد** کے معنی گود کے کیے ہیں اور تیسری جگہ سورۂ مریم میں تو **مهد** کے ساتھ **صبیا** کا لفظ جو شیر خوارگی کے معنی پر نص ہے موجود ہے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ اس مہد سے مراد وہی زمانہ ہے جس میں اور بچے کلام نہیں کر سکتے ہیں۔

الحاصل قرآن مجید کے الفاظ شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت مسیح نے پیدا ہونے کے بعد متصل ہی اول اپنی والدہ ماجدہ کی تسلی کے لیے کلام فرمایا اور پھر جب یہود مردود نے ان پر طعنہ کیا تو ان کو آپ نے جواب دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

قال انی عبداللّٰہ اتنی الکتب و جعلنی نبیا –تا– حیا .

پھر کسی تفسیر میں اگر کوئی روایت مخالف الفاظ قرآن کے پائی جائے تو ہم اس کا بھی ساقط الاعتبار ہونا یقین کرتے ہیں اور خان صاحب بہادر کی جو سراسر قرآن و حدیث اور اجماع کے برخلاف ہیں وہ تو ہرگز ہرگز قابل پذیرائی کسی دین دار مسلمان کے نہیں ہیں۔

قولہ: دوم خلق طیر یہ اس حالت کا ذکر ہے جب کہ حضرت عیسیٰ بچے تھے اور بچپن کے زمانہ میں بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے اس کی نسبت خدا نے سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی زبان سے یوں فرمایا ہے کہ

اِنِّی اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ .

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے :

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ الی قوله .

اب اس پر بحث یہ ہے کہ کیا درحقیقت یہ کوئی معجزہ تھا اور کیا درحقیقت قرآن مجید سے ان مٹی کے جانوروں کا جاندار ہو جانا اور اڑنے لگنا ثابت ہوتا ہے۔ تمام مفسرین اور علمائے اسلام کا جواب یہ ہے کہ ہاں، مگر ہمارا جواب ہے کہ نہیں بشرطیکہ دل و دماغ کو ان خیالات سے جو قرآن مجید پر غور کرنے اور قرآن مجید کا مطلب سمجھنے سے پہلے عیسائیوں کی صحیح و غلط روایات کی تقلید سے بیٹھا لیے ہیں خالی کر کے نفس قرآن مجید پر بنظر تحقیق غور کیا جائے۔ (ص: ۲۳۵)

اقول: مخفی نہ رہے کہ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی بشارت اور حضرت مریم کے استبعاد کے بعد جب فرمایا کہ خدا جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ بلا تامل موجود ہو جاتی ہے۔ پھر بعد اس کے حضرت مسیح کی تعریف یوں کی :

> **و يعلِمه الكِتاب و الحِكمة و التوراة والاِنجِيل و رسولا اِلى بنِى اِسرائِيل انى قد جئتكم بآية من ربكم انى اخلق لكم من الطين كهيئة الطير فانفخ فيه فيكون طيرا باذن اللّٰه و ابرئ الاكمه و الابرص و احى الموتى باذن اللّٰه و انبئكم بما تاكلون و ما تدخرون فى بيوتكم ان فى ذالک لاية لكم ان كنتم مومنين ○**

چناں چہ ترجمہ اس کا ہم اوپر آیۃ للعالمین کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

یعنی اور خدا تعلیم کرے گا اس یعنی عیسیٰ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور کرے گا اس کو رسول بنی اسرائیل کی طرف یعنی وہ کہے گا: تحقیق میں لایا ہوں تمہاری طرف معجزہ اپنے رب سے کہ میں پیدا کرتا ہوں تمہارے لیے پنکھی کی شکل پر مٹی سے اور پھونکتا ہوں اس میں اور وہ خدا کے حکم سے اڑتا ہے اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے اور بتاتا ہوں تمہیں جو چیز تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ گھر میں ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اس میں علامات ہیں یعنی میری راستی پر تمہارے لیے اگر تم مومن ہو۔

پھر سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح اور مریم دونوں پر اپنی نعمتوں کے یاد دلانے کے لیے فرمایا ہے :

اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک و علی والدتک اذا ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد و کھلا و اذ علمتک الکتب و التوراۃ و الانجیل و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی و تبرئ الاکمہ و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتی .

اب الفاظِ قرآن مجید صریح فرمارہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مٹی سے جانور کی شکل بنا کر پھونک مارتے تو وہ اُڑنے لگ جاتا تھا خدا کے حکم سے اور ایسا ہی خدا کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے اور مردہ کو زندہ کر دیتے تھے اور غیب کی خبریں دیتے تھے۔

اور تفاسیر وغیرہ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ بارہا ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار اندھے اور کوڑھی آپ سے اچھے ہوتے تھے اور آپ ان سے شرط کر لیتے کہ تم نے ایمان لانا ہے تو بعد صحت وہ مسلمان ہوتے تھے اور آپ خفاش کی شکل مٹی سے بنا کر پھونک مارتے تو وہ لوگوں کے سامنے اڑنے لگ جاتی اور چار شخص ایک غار پر اپنے دوست کو تین روز اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا جو مدت تک جیتا رہا اور اس کے اولاد ہوئی۔ دوسرا ایک بڑھیا کے فرزند کی لاش چارپائی پر لیے جاتے تھے آپ نے اس کے لیے خدا سے دعا مانگی وہ زندہ ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور لوگوں کے کندھے سے اُتر کر کپڑے پھینک کر چارپائی سر پر اٹھا کر گھر کو چلا گیا اور مدت تک زندہ رہا جس کے اولاد ہوئی۔ تیسرے ایک محصولیے کی لڑکی کو ایک دن بعد مرنے کے زندہ کیا جو باقی رہی اور اس کی اولاد ہوئی۔ چوتھا سام بن نوح کو آپ نے زندہ کیا جس کا آدھا سر قیامت کے خوف سے سفید ہو گیا تھا حالاں کہ ان کے وقت میں کسی کا سر سفید نہیں ہوتا تھا اور اس نے زندہ ہو کر کہا: کیا قیامت آ گئی؟ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے اسم اعظم کے ساتھ دعا کر کے تجھے زندہ کیا ہے خدا کے حکم سے۔ پھر آپ نے فرمایا: تو فوت ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: اس شرط سے کہ مجھے نزع کی تکلیف نہ ہو آپ نے دعا کی کہ وہ بلا عذابِ نزع فوت ہو گیا۔ ذکرہ محی السنۃ وغیرہ۔

اب ایسے قرآنی معجزات باہرہ اور روایاتِ بینات کو خان صاحب بہادر بچوں کے کھیل پر حمل کر کے کہتے ہیں کہ تمام مفسر اور علمائے اسلام اس خلق طیور کو معجزہ کہتے ہیں اور میں انکار کرتا ہوں۔

سو فقیر کہتا ہے کہ اگر بہ پاس خاطر خان صاحب بہادر کے ہم سب روایات سے اپنے دل اور